

A ec. No.

28

دشت گل

دشت گل کو دیکھے سیرِ بیاہاں کیجئے
ہمے اس کم نخت دل کا کوئی صلی کیجئے

زبیدہ تحسین

جملہ حقوق بہ حق مصنف محفوظ ہیں

۱۹۸۴ء	اشاعت :
نیشنل فائن پرنٹنگ پریس	طباعت :
تاج الدین، چائل بازار	کتابت :
سعادت علی خاں	ہر ورق :
ارسطو جاہ، عفت یا سمین، اکبر حفیظ راہی	تترن کار :
نندھی آرٹ پریس	ٹائٹل :
۱۵—۵۵ روپے	قیمت :
شرین پبلیکیشنز جہاں آرزو چھاؤنی ناد علی بیگ	ناشر :
حیدرآباد اے پی	
	ملنے کے پتے :-

ایسٹ سٹریٹس شاہ ٹلی نندہ حیدرآباد (۲-۵۰۰۰۰۰۰۰)

نیشنل بک ڈپو پچھلی کمان حیدرآباد (۲-۵۰۰۰۰۰۰۰)

17 -

مکان مصنف :- 7/600-9 چھاؤنی ناد علی بیگ
عقب گورنمنٹ جوئیر کالج

A C C . NO .
28



نیرہ حسین

انتساب

والدِ محترم مولوی محمد عبدالکریم صاحب مرحوم
 دبیر منشی فاضل کے نام
 جنہوں نے

جنگلات کی ملازمت پر محکمہ تعلیمات کو ترجیح دی اور آخر
 تک اسی سے وابستہ رہے۔

تہذیب

۱۸	منقبت	۱۳	نعت	حمد
۱۸	ہامیم سے نہ لعل و گہرے لب ہے ۔	۱۳	لفظ کن سے جس نے اس عالم کو پیدا کر دیا	
۲۰	منقبت	۱۴	نعت	
۲۰	وہ فرط عقیدت کا عالم نہ اچھو ۔	۱۴	ظاہر شوق کی رفعت کا لفظ ہم بھی دیکھیں گے ۔	
۳۱	منقبت	۱۵	نعت	
۳۱	بہت کچھ ہستی میں سرا ہے پیچ و خم نگاہ ۔	۱۵	زمین پہ تلخہ ہے اچھو رہتا رہا آتے ہیں ۔	
۴۳	نعت	۱۶	نعت	
۴۳	نزیب تحویل	۱۶	اے نور عظیم کبھی بطل سے نہ گھبرا ۔	
۴۵	نظم			
۴۶	کون			
۴۸	غیب الفطر	۱۷	منقبت	
۴۸		۱۷	وہ لایعنیہ حقیقت جو تم کو اب نہیں	



- ۶۳ اندھیروں سے اجالے لگا گئے
- ۶۵ آپ روٹھے رہے آشفۃ مزاہول کی طرح۔
- ۶۶ روئے ہیں ہم بھی دیدہ یعقوب کی طرح۔
- ۶۷ دل ویراں میں بہاؤں کے سمیرائے۔
- ۶۸ ہمارے حسن کی برنائیاں ہیں۔
- ۶۹ اک حسین رات بھی ہے ان سے قناتہ بھی ہے۔
- ۷۰ کھٹکھٹا جاتی ہے دیوارِ صبا رات گئے۔
- ۷۱ کاسٹہ ظلمتِ مہنتی میں چراغِ فنا نہ کرو۔
- ۷۲ زندگی اس نہیں اس میں بھی آتی ہے بہت۔
- ۷۳ وہ پہروں سا ہے جوتے ہیں پر باتیں نہیں ہر تیں۔
- ۷۴ گریج ہے کلچر محرومی معراج ہوتا ہے۔
- ۷۵ آہوں میں کوئی جاتا ہے اشکوں میں بے باقی جاتا ہے۔
- ۷۶ آہوں میں خنجرِ درشت و دہن بھول گئے ہیں۔
- ۷۷ نیند بڑی ہے کوئی نہ فکیر بڑی ہے۔
- ۷۸ قصہ غم سنائی رہی زندگی۔
- ۷۹ منزل سے بڑھ گئی ہوں کہ منزلِ نظر میں ہے۔
- ۸۰ کئی نظریں کسی دل میں بس رہی ہوں۔
- ۸۱ اتنے ہوں وہ دور کہ نزدیک آگئے۔
- ۳۰ غزلوں کی رات کا ایک تاشہ۔
- ۳۴ آندھرا پریش۔
- ۳۸ خطا کا جواب۔
- ۴۱ گم شدہ انگوٹھی کے دوبارہ ملنے پر۔
- ۴۳ نظم
- ۴۴ مکتوبِ گزشتہ پو پڑی میری نظر آج
- ۴۷ موضوعاتی نظم۔
- ۴۹ نظم (مرے محسوس ارمانوں کے...)۔
- ۵۰ سونی سو فہر گز رہے زندگی۔
- ۵۱ عید۔
- ۵۲ ○ غزلیات
- ۵۵ تنہا ہوں بہت ساتھ نبھانے کے لئے آ۔
- ۵۶ آنا رہ بہاروں کو منزل کا پتہ دے دو۔
- ۵۷ دل خستگی سے آج بھی ہے حیرا اس ہے۔
- ۵۸ غم بھول جاتوں حد تک ہر ایک بات کا۔
- ۵۹ تیرے بغیر زندگی درو ہے زندگیاں نہیں
- ۶۰ درو ہے ڈھلی دل کی کوٹھم چلی آئی۔
- ۶۱ ذہن بیدار ہے دل نشاد و قمار و سرور
- ۶۲ مرے خشک تپاں گروائیں گرو دیا کے سینے پر

۱۰۷ کتنے اداس ہو کر رہے انجن میں ہم

۱۰۸ کسی کا مجھے بھولیں یا اداس

۱۰۹ جھوم کر رنگین فضا میں رنگ برساتے لگیں

۱۱۰ عید کچھ آنے انداز سے آئی ایک

۱۱۱ زلف گنتی کے سلیقہ کی کوئی بات تھی۔

۱۱۲ کچھ لپی چھانگٹیں دھندلائیں غم دل کی۔

۱۱۳ چاندنی رات کا آوازوں کا جہاں ہے اے دوست

۱۱۵ وقت کی ٹھٹھری ہوئی فیض رواں ہو جائے

۱۱۶ دل کچھ بھی گیا جی چھوٹ گیا اب بات بنی ہر فتنہ

۱۱۷ کہنے کیوں تو آپ کی مجھ پر نظر ہوئی

۱۱۸ اس طواری زندگی منحقر رہی۔

۱۱۸ شکوہ ناز ہی رہا تم کو۔

۱۱۹ اداس میں ہوں مگر یہ جہاں اداس نہیں۔

۱۲۰ اشک لڑاں زرداؤں کے دم ہوں گے۔

۱۲۱ ڈالی گئی ہے طبع نازک یہ یوں نقاب۔

۱۲۲ وہی بکلیوں کی چٹنگ وہی میرا آتشانہ۔

۱۲۳ جب پھول پر شبنم ہوتی ہے۔

۱۲۳ تین شعر

۸۶ انکس نہیں ہوں انکس ناز ہو کر ہے۔

۸۷ جب کسی کو خانہ دل میں لے لیتے ہیں، لوگ۔

۸۹ انکس میرے صورت گزرتے کچھ بھی نہیں۔

۹۰ دعوتِ ذوقِ عمل میں بھی نہیں دیوانوں کو

۹۱ دے رہا ہے مجھ پر بزرگ زندگی یہ دل مجھے۔

۹۲ اب ہم کو ان سے کوئی رسم و رواج بھی نہ رہی۔

۹۳ کہتے کیوں تو آپ کی مجھ پر نظر ہوئی۔

۹۴ کس جگہ حالات کا نام نہیں۔

۹۵ کشمیری بھتہ دریں چھوڑی طوفان ہے ناقدا۔

۹۶ کس قدر مانتو پہاتے ہیں تہہ کے لئے۔

۹۷ جنوں کی رہنمائی بھی فانی کارواں کیوں ہو۔

۹۸ بچوؤں کی انجن سے گزراں میں خار کیوں۔

۹۹ چادہ شوق رہا دل نظر سے گزرے۔

۱۰۰ صبح آگاہی بھی نہیں پائی تھی ابھی

۱۰۱ طمان میں رکھی ہے جیسے شمع سوزاں دیکھے۔

۱۰۲ یہ اظہارے روج پروریہ فضا میں جہاں فتنہ

۱۰۳ یہ رہبر صرف خدا کا روال تک ساتھ دیتے ہیں

۱۰۴ یہ تہنکار یہ جانتے ہیں قدرت کے سواوں کا

۱۰۵ صرف باتوں باتوں میں ہی نہیں تبتی

- ۱۲۲ کیوں جیب ناما مجھ کیوں ڈا آ ہے
- ۱۲۳ دل مرا کشتن تھا بھی کر دیا
- ۱۲۴ طوفانی تے تے ہیں کنارے تے تے
- ۱۲۵ تک تک کے کھری راہوں کو شب بھر کے تارے ڈوب گئے
- ۱۲۶ اب دستِ دعا ہے نہ ہی تاثیر دعا ہے
- ۱۲۷ ہر لحظہ منتقلب میں زمانے کی کرۂ ویش
- ۱۲۸ فریب گر زں شام کو کھری بات نہ کر۔
- ۱۲۹ وہ مرے نزدیک آ کر رہ گئے۔
- ۱۳۰ بکھ رہے ہیں جیسے شمع بجھ گئی۔
- ۱۳۱ آہ ہوا کے اثر ایسی دھما کوئی ہے۔
- ۱۳۲ ان سے کہنا غمی میں قلب و نظر۔
- ۱۳۳ جو جانا سے پیارا تھا ہم کو ہم غم جاناں بھول گئے۔
- ۱۳۴ آگے آدھیروں کی سیاست ہے سچ ہونے تک
- ۱۳۵ تیرے انوشیروان کے لئے راحت دل بھی نہ لیا۔
- ۱۳۶ آپ کے لطف و فیایات کی یاد آتی ہے
- ۱۳۷ لب پہ شکر وہ بھی نہیں حرف تھا بھی نہیں۔
- ۱۳۸ اس بھری بزم میں تہائی کی تہائی ہے
- ۱۳۹ تمنا تھی کہ رشک خلد دیکھیں اپنی دنیا کو
- ۱۴۰ چین کی فضاؤں میں غم دیکھتے ہیں۔
- ۱۴۱ رونق بزم رہے ہم ہی زمانے بھر میں۔
- ۱۴۲ آپ کیا سستی کرم بھی نہیں فرمائیں گے۔
- ۱۴۳ اک چشم التفات کی اتنی سی بات ہے۔
- ۱۴۴ وہ حسین چاند تنہا کی جواں رات بھی ہے
- ۱۴۵ اے باد صبا کہدے ذرا ایر خزاں سے
- ۱۴۶ ہے میری داستان مجھ کو ہے دعویٰ زباں دہلی
- ۱۴۷ دل کو ہے آرزو میرے اشک رداں سے دور
- ۱۴۸ شبِ عمر کی سحر نہیں ہوتی۔
- ۱۴۹ کچھ دین نیا نہ دنا ز سے خوشیوں سے ہم ملے۔
- ۱۵۰ اکھ الجھا گئے کھانے تو گریباؤں سے۔
- ۱۵۱ میری انزہ نگاہی سے عیاں میں خورشید
- ۱۵۲ رہیں مطرب ساقی نے ظلت شب بھی۔
- ۱۵۳ میرے ان نینٹوں میں نہ تم لہراؤ۔
- ۱۵۴ سارا حال کے تاروں کو نہ چھوڑا کھئے۔
- ۱۵۵ جب محبت کی دلوں میں کار فرمائی نہ تھی
- ۱۵۶ ڈوئی جو کھنڈا کے لب بام تو کہا ہے
- ۱۵۷ ہے سلامت اکا دکا دن یہ بخوری شوق میں۔

- ۱۸۰۔ دون کی ہر کہن سا کہ تنائوں کی پامالی۔
- ۱۸۱۔ وہ کہ ہے ہیں شوق کا طوفان ابھی ہے۔
- ۱۸۲۔ میکے میں تیرے ساقی اب بھی کیف و کم ہے۔
- ۱۸۳۔ کبھی تو ہوش میں آتا بھی مہوش ہو جانا۔
- ۱۸۴۔ آپ کی خیم غنائت کا مجھے احساں ہے۔
- ۱۸۵۔ چراغ دل کباب ہوں میں جل بھی سکتے ہیں۔
- ۱۸۶۔ صبح کی ہے شب انتظار باقی ہے۔
- ۱۸۷۔ جب بھی مہراں ہوئی تو ہر جس عشق کی بات
- ۱۸۸۔ مجھے اگلیکے شور و غم کی دلدل پہ چھل گئے۔
- ۱۸۹۔ مرا مرزا اب ہے بخت سکندر
- ۱۹۰۔ پھر دی ہیں ہنگامے پھر دی ہیں خورشیدیں ان کی
شوق آکھوں میں اپنے دل کی عقل میں
- ۱۹۱۔ ترے ابرو کی شکن یاد آئی
- ۱۹۲۔ ہے یہ تاکیداتیں خور سے دیکھتا کریں
- ۱۹۳۔ جلے چراغ تو سر دکن کی یاد آئی
- ۱۹۴۔ تین شعر۔
- ۱۹۵۔ نئی بہار پہ اس طرح چھا ہے میں ہم۔
- ۱۹۶۔ اب نہ رنگ سے ہر طرح گھبرا رہی رہن میں۔
- ۱۹۷۔ قصہ فریاد نہیں شکوے داد نہیں۔
- ۱۹۱۔ جبین شوق میں میری کاسچائے تپتے ہیں
- ۱۹۲۔ ہزار بار بھی تو میں آرزو کرتے۔
- ۱۹۳۔ ہر ایک چہرہ فرحانیا لگتے مجھے۔
- ۱۹۴۔ کون بدل سکتا ہے تقدیروں کی تحریریں
- ۱۹۵۔ رنگ ارباب کے ساقی تیرے میٹھاؤں سے
- ۱۹۶۔ کچھ اس طرح خیال کہ تم رو رہے
- ۱۹۷۔ سوز دل کو حاصل ارمان بنانا ہے مجھے
- ۱۹۸۔ سہا بے محبت شرمطوفا آئیں نہ نہ بھول گئے۔
- ۱۹۹۔ چو جاتھا جن کو عہدے وہ اعتنا کیا ہوئے۔
- ۲۰۰۔ میں کس سے جنگ کھوں کس سے اشتیجیا ہوں
- ۲۰۱۔ جب بھی پہلے ہیں ذرا رونے سا ان کے
- ۲۰۲۔ آنکھوں میں بسا لوں جسے وہ راز نہیں ہے۔
- ۲۰۳۔ دلی میں نہ بے نیاز آنکھوں میں آنکھوں کا جرم۔
- ۲۰۴۔ جلدی کیا سوچ کر ہنسے تھے کلی۔
- ۲۰۵۔ لاہور کی اداۃ اپنائیں
- ۲۰۶۔ طعنے جینے میں ہے باقی نمرے کا نرا۔
- ۲۰۷۔ تیرے ابرو کی شکن یاد آئی۔
- ۲۰۸۔ لہرتے ہیں قدم ساقی ترے ہر ہر اشارے پر۔
- ۲۰۹۔ مجھ کو جب بھولنے والے کی خبر ہوتی ہے۔

- ۲۴۵ یہ ہوتا رہا ہے یہ ہوتا رہے گا۔
- ۲۱۶ کسی عجیب جذبہ کی صورت ہے زندگی۔
- ۲۱۷ نظارہ چمن بھی ہوا دل پہ بار کھوں ؟
- ۲۱۹ کرم یا دیا ستم یا دنیا۔
- ۲۲۰ عنایت کے صدقہ طوالت جزوں کی۔
- ۲۲۱ حسین نظارے ہیں پر کیف ہے حسین موسم
- ۲۲۲ میں نقیبہ زندگی ہوں
- ۲۲۳ حرم ناز کے پردے اٹھانے کے
- ۲۲۴ سب راہیں محبت کی مٹانے کے لئے ہیں۔
- ۲۲۵ لوگ کہتے ہیں مجھے ہوں شاعر شیریں بیاں۔
- ۲۲۷ لالہ دلی کے جو سماں ایچم چھوٹتے۔
- ۲۲۸ اکیلا قیس را جذب کو بکن آہنا۔
- ۲۲۹ وہ رشک طرب قیس ہے دمی دین
- ۲۳۰ جب کوئی پاس آئیں رات کے سناٹوں میں
- ۲۳۱ قرار عالم کساں لئے یہ کون آیا
- ۲۳۲ محفل خواتین کی فرمائش پر
- ۲۳۳ دشت تباہ پر یہ پرور دینر جاوید و ششہ ہب کی لئے
- ۱۹۷ حال دل کیا کہوں بیاں اپنا
- ۱۹۹ وہ نقشِ قہام سے مٹائے نہیں جاتے۔
- ۲۰۱ چارہ گروت ہوئی جاتی ہے میرے غم کی۔
- ۲۰۲ چاکل گشتن میں ابھی دیکھی میرا دامن
- ۲۰۳ پھول کو زندگی گشتن کو رات مل جائے۔
- ۲۰۵ ہر روز تم ایک قیامت گزر گئی
- ۲۰۶ شکر احرار و زکین شکوہ فردا نہ کریں۔
- ۲۰۷ کبھی گرا کبھی سرا کبھی برسات کا عالم
- ۲۰۹ ہے کوئی فنجہ دہن یا کہ ہے اک پھول حسین
- ۲۱۰ آنکھوں میں ہیں آنسو مری فریاد نہیں ہے
- ۲۱۱ ادھیگی گڑھے رہے ان کو کچھ کھیلانے لگے۔
- ۲۱۲ دیدہ نگاہ میں تیرے روز ہی پیکل آئے
- ۲۱۳ تم سے یہ کہن ہے کہا تم سب نہیں ہے کوئی
- ۲۱۴ درد دل میں میرے سلامت ہے۔
- ۲۳۲ جہنم بوش ہوا ہے کہیں ودا تو نہیں
- ۲۳۳ بادشاہ کوئی ہے ان کا نہ اپنی جز گئی
- ۲۳۴ خوشا اے وہ حقیقت کہ گر گئی کہے
- ۲۳۵ نماز محبت ادا ہو رہی ہے
- ۲۳۶ لب پہ نگہ بھی نہیں حق تمنا بھی نہیں

اپنی بات

نام۔ زبیدہ تحسین تخلص۔ میری ۳۵ سالہ شاعری میں میرے پہلے مجموعہ کلام ”دشتِ تمنا“ کی اشاعت کے بعد میرے دوسرے مجموعہ ”دشتِ گل“ کی اشاعت عمل میں آرہی ہے۔ ”دشتِ تمنا“ ادارہ ”محفلِ خواتین“ کی جانب سے شایع ہوئی ہے جس کو اردو اکیڈمی آئندھراپور دیش نے انعامِ اول سے نوازا اور جس کو باذوق حلقوں نے اور مختلف رسائل اور اخبارات نے تبصروں میں کافی سراہا۔

میں مختلف مقامات پر کئی مشاعرے نامور شعراء کے ساتھ پڑھ چکی ہوں۔ جن میں مرہٹوارہ کے تمام اضلاع اور بھئی و ناگپور کے مشاعروں میں متعدد بار شرکت کا موقع ملا۔ نیز حیدرآباد اور مدراس میں بھی مشاعرے پڑھے ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو سے خصوصاً نیرنگ پر دو گرام اور خواتین کے پر دو گرام میں اکثر و بیشتر کلام سننے کا موقع ملا۔ جو آج بھی جاری ہے۔ میرا کلام ملک و بیرون ملک کے رسائل میں اکثر شائع ہوتا رہا ہے۔

خاص کراوان حیدرآباد نمبر "میں میسری غزل فوٹو مع سوانح شائع ہوئے۔

۱۹۵۱ء میں نصیر الدین ہاشمی نے میرے کلام پر تبصرہ "سب اس" میں شائع کیا۔ مرہٹی میں بھی میرے کلام پر تبصرہ شائع ہو چکا ہے جو مرہٹی کے نامور ادیب ڈاکٹر وی۔ وی۔ لکارے نے مشہور مرہٹی رسالے "منوہر" پونہ میں شائع کیا۔

ہندی رسالے "دھرم ہگ بھٹی" میں بھی اکثر کلام شائع ہو چکا ہے۔ جیسا کہ میں نے اپنی پہلی کتاب "دشتِ تمنا" میں عرض کیا ہے کہ میرے تہل کی وجہ کلام کی اشاعت میں تاخیر ہوئی ورنہ یہ میرا تیسرا یا چوتھا مجموعہ ضرور ہوتا۔

زیدہ تحسین

۱۹۸۷ء

المرقوم

مقام: ۶۵۰/۶ - ۹ - ۱۷ - جہاں آرزو
چھا دنی ناد علی بیگ حیدرآباد

حمد

لفظ کن سے جس نے اس عالم کو پیدا کر دیا
 ابن مریم کو اسی نے پھر مسیحا کر دیا
 زرہ کو خورشید اور قطرہ کو دریا کر دیا
 آپ کی چشمِ کرم نے ہم کو کیا کیا کر دیا
 ابنِ آدم کی شفاعت اور بخشش کے لئے
 احمد مرسل کو بخشش کا وسیلہ کر دیا
 رحمتیں اپنے لئے ہیں زحماتیں اپنے لئے
 صبرِ الوبی سے عالم کو ثنا سا کر دیا
 آپ میں پیغمبرِ حق رحمتِ حق کی توفیق
 روئے غازی میں منور اپنا جلوہ کر دیا
 لذتِ نعم ہے کیا اور سوز کہتے ہیں کسے
 ساز کے خاموش تاروں سے ہو پیدا کر دیا
 حق نے جب بھی آٹ لایا دوستوں کو چن لیا
 مصر کے بازار میں یوسفؑ کا سودا کر دیا
 کاٹ کر رکھا گیا جب طشت میں بکھی کا سر
 غیر پہ پہنچا کہ اس نے ہم کو رسوا کر دیا
 آج ہو در پر رسائی گھر تو یہہ بھجوں گی میں
 اس مری ہستی کو ہمد و شکر یا کر دیا

نعت

نگاہ شوق کی رفت کا نقشہ ہم بھی دیکھیں گے
 وہ منزل ہم بھی دیکھیں گے وہ جادہ ہم دیکھیں گے
 تری باتوں کا اے واعظ ہمیں کیوں اعتبار آئے
 یہ دنیا ہم بھی دیکھیں گے وہ عقیقہ ہم بھی دیکھیں گے
 جہاں میں اہل من انساں کی بریادی کے درپے ہے
 خرد کو رہنمائی کا ہے دعویٰ ہم بھی دیکھیں گے
 وہ دربار شہنشاہ جس پہ شیدا ہیں ملائک
 اگر بیمار احمد ہیں وہ روضہ ہم بھی دیکھیں گے
 تجھے طاعت پہ ہے مجھ کو شفاعت پر بھروسہ ہے
 ہر عشر سہی زاد تماشا ہم بھی دیکھیں گے
 تجلی نور یزدان کی ہوئی ہے ختم موسیٰ پر
 قیامت ہی قیامت ہے جو جلوہ ہم بھی دیکھیں گے
 ہیں کتنے ہر جو سودائے محمدؐ میں رکھتے ہیں
 اجازت ہو مرے مولا وہ بطحا ہم بھی دیکھیں گے
 اے غازی رحمتوں میں آپ کی پنہاں مشیت ہے
 اسی روضہ کو ہمیں روشِ ثریا ہم بھی دیکھیں گے
 تجلی نور کی دیکھی گئی تھی طور سینا پر
 مجسم شوق ہیں رحمت کا دریا ہم بھی دیکھیں گے

نعت

زمیں پہ غلغلہ ہے احمدِ مختار آتے ہیں
 سب ہی آنکھیں کچھاتے ہیں مرے سرکار آتے ہیں
 وہ آئے چاند کی صورت اُجالا لے کے دنیا میں
 فرشتوں نے صدا دی احمدِ مختار آئے ہیں
 خدا کی رحمتوں میں آمنہ بی بی کے دامن میں
 وہ اُمت کے لئے بن کر سہرا پایا رکتے ہیں
 ہمارے ہاویٰ برحق زمانے کے لئے رہبر
 وہ محبوبِ خدا بیوں کے وہ سردار آتے ہیں
 بلایا آسمانوں میں بٹھایا عرشِ اعلیٰ پر
 خدا خوش ہے کہ ملنے کو شہد ابرار آتے ہیں



نعت

اے نور مجسم کبھی باطل سے نہ گھبرا
 ظلمت سے تجھے کھڑکی دُڑنا نہیں آتا
 مانند حباب آج تو ساحل سے بھی ٹکرا
 گرداب سے کیا تجھ کو امیجنا نہیں آتا
 مذہب کا فدائی ہے تو قربان محض
 اس بزم سے بے نام گذرنا نہیں آتا
 کیا تو نے کیا کھڑکی ظلمت نہ مٹائی
 جس کام سے آیا ہے وہ کرنا نہیں آتا
 کہ پیروی تو احمدؑ مرسل کی سراسر
 پھر دیکھ کہ کیوں تجھ کو امیجنا نہیں آتا



منتقبت

وہ لا جواب حقیقت ہو تم جواب نہیں
 ”مرے مذاق سخن کو سخن کی تلخ نہیں“
 تمام رمز حقیقت میں ایک سیل بہتیاں
 کہے گا آپ کو کوئی کھلی کتاب نہیں
 عبادتوں میں گزارو امانتوں میں رہو
 یہ زندگی ہے سلح آب پر حباب نہیں
 نہ رنگ و نور تھا اس زلیت کے فلنے میں
 یہ روشنی کا تسلسل یہ ماتا اب نہیں
 زمانے دے گا کہاں تم سا ساقی دوراں
 سرور عجز ہے وہ عجز کہ جواب نہیں
 حقیقتوں نے سوارا ہے بزمِ مستی کو
 خیالِ دوہم نہیں یہ طلسمِ خواب نہیں
 مزاجِ دہر کو جو لائیاں ہیں اے تجھ میں
 کہیں سرور نہیں اور کہیں شراب نہیں



منقبت

نہ جامِ جم سے نہ لعل و گہر سے ملتا ہے
 مری دعا کا تسلسل اثر سے ملتا ہے
 میں خاک پاک ہوں انسان ہوں فخرِ عالم ہوں
 کہاں یہہ فخر کسی کو گہر سے ملتا ہے
 کسی کا درد کسی کی فغاں کسی کا جنوں
 مرے ندیم تری چشم تر سے ملتا ہے
 وہ تشنگانِ سفرِ زندگی نہیں پاتے
 پتہ حیات کا ذوقِ سفر سے ملتا ہے
 درویشی سے نہ شام و سحر سے ملتا ہے
 یقین کا نور تمہاوی نظر سے ملتا ہے
 نہ فرقِ رند و نیکش ہو حضرت واعظ
 کہ جذبِ صدقِ فریبِ نظر سے ملتا ہے
 گلابِ ہی کو پہے دشمنی سے زہر ملتا ہے
 مجھے تو وردِ مرے چارہ گز سے ملتا ہے

کلی کا درد گلوں کا فنوں نظر کا ثبات
 ہمیں چمن میں کسی دیدہ ور سے ملتا ہے
 کہاں ہے جوارت خاکہ کہ کچھ کوں تو صیف
 یہ راستہ ہے جو تیر بنگر سے ملتا ہے
 وہ کیا چلے گا نہیں جس کو اعتماد عمل
 نشان تیرا رہ بے خطر سے ملتا ہے
 ضیائے چاند میں ہے شمع کی کرن رقصاں
 ثبوت روشنی ہم کو سحر سے ملتا ہے
 یہ میکہ ہے یہاں کیف و کم نہیں ازراں
 مجھے تو کیف فریبِ نظر سے ملتا ہے
 یہ حال ماضی و فردا ہمارے ہیں تحسین
 جو مل رہا ہے اسی سنگِ در سے ملتا ہے

منقبت

وہ فرط عقیدت کا عالم نہ پوچھو
سب ہی چل رہے ہیں سہارے سہارے

سحر کی لطافت گلوں کی نزاکت
زمین پر نظارے فلک پر شمارے

کرم کی نظر ہو تو اے شاہ والا
زمین کے یہ ذرے بھی ہیں ماہ پارے

بھنور میں کھڑے ہیں نہ کشتی نہ ساحل
ڈوبو کو نہ رکھیں کہیں تیز دھارے

وہ بجلی کی چمک یہ میاں شہین
زمین و زمان میں ہیں باہم اشارے

اندھیرا ہے گہرا ہے ظلمت کے پردے
کہیں ساتھ دیں گے یہ مدھم تارے

بجھاؤ و غنم زندگی کے شرارے
بہت تپ چلے ہیں یہ ارماں ہمارے

نزا دارِ جرم محبت ہوئے ہیں
وہ ساحل مہیا را یہ طوفان ہمارے

مزہ زندگی کا جو چاہو اے تحسین
نہ طوفان کو مچھوڑو نہ دھونڈو کنارے



منقبت

بہت نکلے غم ہستی میں سارے پیچ و خم نکلے
کوئی کس طرح اس میدان میں ثابت قدم نکلے

جنونِ عشق میں دیر و حرم کی سوچھتی بھی کیا
جہاں سرکھد یا ہم نے وہیں دیر و حرم نکلے

جنمیں چاہا جنمیں پوجا جنمیں ہم نے کیا سجدہ
نہ پوچھو بات کچھ ان کی وہ پتھر کے صنم نکلے

وہ جذب بے خودی اپنا روایت توڑ دینے کا
حدوں کو توڑ کر باہر نہ تم نکلے نہ ہم نکلے

یہ رمزِ عشق کیا جانے کوئی راہِ محبت میں
ستم ان کے کرم نکلے کرم ان کے ستم نکلے

اجازت تو نہیں دیتی یہہ خود رائی دل اپنی
تقا ضلے وفا یہہ ہے تری چوکھٹ پہ دم نکلے

شکت دل کے ہم بھی معترف ہو جائیں اے ساقی
اگر اس میکدے سے تیرے فرق و کیف و کم نکلے

مرا ٹوٹا ہوا ساغر مجھے بھر دیجئے خواجہ
بہت ہے مجھ کو یہ بھی گرمے حصے کی کم نکلے

دل مضطرب را ایمان ہے ان سے وفا کرنا
میری قسمت اگر تو یاں سزاوار الم نکلے

بصحر حشرت انھیں بھی آج یہہ کہنا پڑا تحسین
کہ تیری بزم سے ہم بھی اے ظالم جسم ہم نکلے



فریبِ تخیل

آلاب کا کنا راگر ما کی رات پیاری
شفاف آسماں پر وہ سرخ سرخ دھاری

وہ مست سی لگا ہیں ہوں نیند سے جو بھاری
محو خوام کوئی اطراف کیاری کیاری

چھٹرا جو کوئی نغمہ پھولوں پہ غش تھا طاری
وہ گندی سی زنگت سونا اگل رہی تھی

نظریں جھکی ہوئی تھیں خاموش چل رہی تھی
اک آرزو تھی جیسے دل میں مچل رہی تھی

یکہلت بیٹھ جانا گویا سنبھل رہی تھی
وہ گرم آہ جیسے لاوا اگل رہی تھی

سبزہ کی وہ روش پر غم کی تھی اک کہانی
شاید وہ کہہ رہی تھی دنیا ہے غیر فانی

میلوں وہ نگاہیں انداز راز دانی
سبزہ پہ کورہی تھیں شبنم کی گل نشانی

یاد آگئی کسی کی وہ رس بھری جوانی
پھر وہ حسین وعدے وہ یاد آگ پرانی

گو یا بکھر رہی تھی حسرت بھری کہانی
پھر اٹھ تھیں نگاہیں انداز کا مرانی

بڑھتا تو دامن شبنم سے دھور سی تھی
چھوٹوں کی تازگی بھی شرمندہ ہو رہی تھی

کلیوں کو تھی جو حسرت سبزے کو بے کلی تھی
تاروں کی انجمن بھی مدھم سی ہو رہی تھی



نظم

ہر طرف جشن چراغاں ہے کہ عید آئی ہے
”وقت حالات کا خاموش تماشا ٹی ہے“

کون جانے کہ یہ ہنگام مسرت کیا ہے

کون جانے کہ یہ اندازِ عبادت کیا ہے

کون جانے کہ یہ خاموش فغاں کیسی ہے

کون پوچھے کہ یہ بیدادِ جہاں کیسی ہے

کتنی آنکھوں کے دیئے جل کے بجھے جاتے ہیں

کتنے ارمان تہہ خاک دبے جاتے ہیں

صورتِ دردِ سہمی زمرہ آرائی ہے

آنسوؤں کی غم ہستی میں پذیرائی ہے

کس کی تصویر یہ آنکھوں میں اتر آئی ہے

جیسے ماضی کی ہر اک بات نکھر آئی ہے

جیسے طوفان میں لمحہ کواں مل جائے
جیسے خاموش ارادوں کو زباں مل جائے

وسعت چشم کرم کی جو پذیرائی ہے
کس کے الطاف کی یہ انجمن آرائی ہے
صورت موح ہستی رقص کا ارماں کیوں ہے
سر میں سوداے جنوں دل میں تمنا کیوں ہے

زلف ہستی ابھی ہر لمحہ پریشاں کیوں ہے
ابھی ماحول یہ غارت گراں کیوں ہے
وہ بے مری حالات وہی تشنہ لبی
وہی اک بات بہ اندازِ دگر آئی ہے

صورت و رد سہی زمزمہ آرائی ہے
آنسوؤں کی غنم ہستی میں پذیرائی ہے

ایک شعر

کیوں حیات بزم ہستی ہے الجھتی خار سے
زندگی کیوں گلشنوں میں رقص فرماتی نہیں

کون؟

ہوئے ہوئے دردِ بن کر روح پر چھاتا ہے کون
 پھر شرابِ شوق بن کر جامِ چھلکا تا ہے کون
 کوئی سینہ کوئی پیکاں کوئی خنجر کوئی ڈھال
 اپنے ظلم بے پناہ پر آپ شرماتا ہے کون
 تیرنا تھا نقشِ دل میں عکس کا نقشِ دائمی
 دل کی ان ویرانیوں میں نور برساتا ہے کون
 اک تکلم اک تبسم ایک مستی اک شباب
 ساز کے خاموش تاروں پر غزل گاتا ہے کون
 اک تخیل اک تصور ایک دنیا کے حسین
 شب کو پناہ بن کے آنکھوں میں اتر آتا ہے کون
 کس نے مہربانہ غلام کو کیا ہے برہمنہ
 موج بن کر سینہ ساحل سے ٹکراتا ہے کون
 اک شرابِ آتشیں ہے اک شرابِ دکنشیں
 اپنی ان مسدود راہوں پر چلا آتا ہے کون
 امن کا پرچم ہے رقصاں زندگی کے موڑ پر
 آسمانِ زندگی پر رقص فرماتا ہے کون
 کس نے چھیڑا سازِ دل کو مستیوں میں ڈوب کر
 فطرتِ انسانیت کا راز سمجھاتا ہے کون



عید الفطر

کسی معصوم محبت کا تو بچپن ہے کہیں
کوئی جھومر کوئی آنچل کوئی کنگن ہے کہیں
عید خاموش قفساؤں کا مدفن ہے کہیں

عید ماضی کے دبے پاؤں کی جھانجھن تو نہیں
عید بے ربط خیالات کی الجھن تو نہیں
عید بے کیفیت حالات کی دھڑکن تو نہیں

دل مضطرب کا یہ دن رات الجھن کیا ہے
کیسی ویلا رہے بے گانہ واپس کیا ہے
کیسے بربادی کہیں جشن کا سماں کیا ہے
زلیت کہتے ہیں کسے موت کا عنوان کیا ہے

کہیں بجھتا ہوا دیک کہیں جلتی ہوئی آگ
ہر دو خاک مگر سینوں میں اک آگ ہی آگ
گذری گلیوں میں بھٹکتی ہوئی آوارہ روح
کہیں سینوں میں اُلتا ہوا لاوہ کہیں آگ

گندی گلیوں میں بھٹکتے ہوئے آوارہ تن
عید کیا چیز ہے ان کو تو ہے روٹی کی لگن

صبح دم کھلتے ہوئے آگ سے گلزاروں میں
کہیں روندے ہوئے پھولوں میں کہیں فاضل میں
تم نے دیکھا نہیں کتنے خن و خاشاک بھی ہیں
ٹوٹے آنسو کی طرح سر و نمناک بھی ہیں

کتنے بے باک ارادوں میں زہر گھلتا ہے
کتنے بے باک عزائم سے دھواں اٹھتا ہے
سینکڑوں ولولے یہ اہل علم رکھتے ہیں
خود تو مٹتے ہیں مٹنا کا بھرم رکھتے ہیں

آنکھ شعلہ ہے تو دل خاک ہوا جاتا ہے
درد کچھ اور بھی بے باک ہوا جاتا ہے
میں نے سوچا تھا کہ کچھ دور کنارے ہونگے
تیرے دامن مرے آنچل میں تارے ہونگے

دیپ بلکوں پہ جلاتی ہوں سحر کی خراط
چشمِ محبت سے کہاں سیل رواں ہے دست



غزلوں کی رات کا ایک تاثر

محترم صدر تھیں اسٹیج پہ خداں خداں خنداں
شب کی پاکیزگی میں کوئی دسا ہو جیسے

رونق بزم تھیں جہاں خصوصی بلقیسؑ
بزم روگلتن اردو میں صبا ہو جیسے

ماٹیکر و فون پہ زینت تھیں مخاطب الے
ہر طرف ہر و محبت کی صدا ہو جیسے

۱؎ منظر ہمدان احمد سابق سیر ۲؎ منظر بلقیس علاء الدین

۳؎ زینت ساجدہ صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی

۴؎ لجنہ رسم اجرا، دستِ تماشا

کتنے پامال سے جذبوں کو جلا یا تم نے
کیسی تصویر بنائی مرے بہلانے کو

یوں لگا دشتِ تنہا میں مجھے پھول ملے
زندگی دور تک آئی مجھے سمجھانے کو

ٹوٹ کر تم نے گلے سے جو لگا یا مجھ کو
کتنے طوفاں تھے بیا قلب میں آئو آنے کو

خدمتِ شعر و ادب دیکھ کے حیراں حیراں
گردشِ وقت تھی اک بار ہٹ جانے کو

منزلتِ نام میں معی اور غزل میں معی ہے
کون موزوں تھا یہاں ایسا لقب پانے کو

۱۔ محترمہ شغلت عبد القیوم صاحبہ

۲۔ پہلا مجموعہ کلام زبیدہ تحسینی

اپنی تخلیق کے اعجاز کو پانے کے لئے
کتنے آذر تھے چلے آئے صنم خانے کو

افقِ جشن پہ تھیں چاند کی صورت ^{۱۵}روڈا
چاند بے تاب ساتھ شرم سے جھک جانے کو

طاہرہ پھول کے مانند کھلی جاتی تھیں
اپنے اخلاص سے ہر ایک کے اپنا نے کو

عائشہ پھول کی کاجو بن تھیں چمن میں جیسے ^{۱۶}
پریم اردو کو پھیر نام پہ لہرانے کو

آپا سلطانہ نے مائک پہ جگایا جادو
ہم تھے آواز کی شیرینی میں گھل جانے کو

۱۵ منروڈا مستری صدر محفل خواتین ۲۷ محترمہ بانو طاہرہ سعید صاحبہ
۱۶ محترمہ عائشہ رشاد ۱۷ محترمہ سلطانہ صاحبہ جشن شرف الدین

خدمتِ اردو میں نیر کہ تھے خلوں پیہم
محفلِ شعر و ادب دونوں کے چمکانے کو

ساز تھے سوز بھی محققِ درد کے افسانے تھے
کتنے احساس چلے آئے تھے بہرکانے کو

یوں بھرک اٹھے تھے زخموں کے گلے شعلے
چھیڑ کر جھوڑ دیں جیسے کسی دیوانے کو

ہاتھ میں "دشتِ تنہا کو سمجھائے تحسینؔ
مصطرب اپنے ہی جلووں میں سمٹ جانے کو

۱۔ جناب صلاح الدین نیر
۲۔ زبیدہ تحسین



اندھرا پردیش

اب قفس کے جال ٹوٹے اور سنہری دام اٹھا
 جیسے اشیاء کا بدیشی ملک سے نیلام اٹھا
 جو فراست جو سیاست ملک کا حصہ بنی
 بات وہ عہد غلامی کی فقط قصہ بنی
 پینچ سالہ مضروبے کی تیسری بنیاد ہے
 ہر شیر بندستان کا شاد ہے آباد ہے
 بج رہا پھر زندگی کا ساز بے آواز ہے
 احشام درد ہے خوشیوں کا پھر آغاز ہے
 زندگی فریاد رس کل تک کسی زنداں میں تھی
 زہرِ عسک کی چاشنی کل تک ہر اک عنوان میں تھی
 ہر زمانے میں رہا بندستان جنتِ نشان
 چند دن چھائی رہی تھیں اس پہ کالی بدلیاں

ہر طرح سے اب ہمارا ملک پھر آزاد ہے
 ملک کیا آزاد ہے کہ ہر بشر آزاد ہے
 اب ترقی کا یہاں کی اور ہی انداز ہے
 اپنے جینے کا صحیح معنوں میں اب آغاز ہے
 ہے عبارت تشنگی جس سے ہے دور آخری
 دور جمہوری کے آگے مٹ رہی ہے آمری
 پھر وہی انگشتِ صناع پھر وہی کاریگری
 پھر ملی ہے ملک میں صنعت کو اپنے برتری
 کتنے اربانوں کو جیسے مل گیا نقصِ جمیل
 کتنے انسانوں کو جیسے مل گئی راہِ سبیل
 لہذا گئے وہ خم کہ تھیں میں زہرِ مہتی پابندگی
 یہ حیاتِ نو بنی ہے آخرش اب بندگی
 پھر فروغِ صنعتِ ہندوستان ہے اوج پر
 پھر سفینہ چھا گیا ہے بحر کی ہر موج پر
 ظلمتوں میں ٹھوکریں کھانے کے دن باقی نہیں
 اک حکایت رہ گئی رنج و محن باقی نہیں
 اب ترقی ملک کی تعمیر کی آواز ہے
 بڑھتے جاؤ وقت کی تدبیر کی آواز ہے
 میں غریب و مفلس و نادار کے جینے کے دن

زندگی کی ناؤ ساحل کی طرف کھینے کے دن
 بے گھروں کو گھر میں ملے کتنے ہی رہنے کے لئے
 مل گیا ان کو سہارا جگ میں جنے کے لئے
 سکڑوں بند بن گئے اسکول کتنے ٹھیل گئے
 تک کہانی بن کے جیسے خم سارے دھل گئے
 سینکڑوں ایکوازیں سیراب کر سکتے ہیں ہم
 اپنی سیاسی زندگی پر آب کر سکتے ہیں ہم
 کتنی ریلوں کا پلوں کا آب بحث منظور ہے
 زندگانی کا مقدر آج بھر مزدور سے
 جب آجالوں کی سیاست میں اندھیرے ٹھل گئے
 جہل کی اس تیرگی میں تار برقی جل گئے
 رشک ہو دنیا کو ایسے کام کو جائیں گے ہم
 زندگانی کو نئے اک ہوڑ پر لائیں گے ہم
 صحت اغیار میں رہنے کے دن جلتے رہے
 ظلم منس منس کر سہی سہنے کے دن جلتے رہے
 ناؤ کو جمہوریت کی جب ہی کہے پائیں گے ہم
 کتنی عمر وہاں ساحل پہ نے آئیں گے ہم
 بندیوں کے عزم ہیں کوہ ہمالہ سے بلند
 ڈال اب سکتے ہیں جیسے ہم ستاروں پر بلند

ہر خوشی پہناں ہے جیسے ملک کی ہر چیز میں
 ہم نے باندھا عزم کو ہے وقت کی ہمنہر میں
 دل کے جلنے کی روایت آج ہے رسمِ تہن
 لہکنشاں سے ہم سچاں گئے ہماری انجمن
 اب ارادوں میں تنزل اپنے آسکتا نہیں
 درسِ ایسا دے گئے ہیں لیکن ہم وطن

ہمراں

دری شعر

جہاد زندگانی میں جو تھیں مردوں کی شمشیریں
 یہاں زلفیں ہماری بن گئی ہیں کی زنجیریں
 وہ اک مجنون تھا جس نے جان دی لیلیٰ کی فرخت میں
 یہ وہ مجنون ہیں رکھتے ہیں ہزاروں دل میں تصویریں

○ خط کا جواب

تم فکر مت کرو کہ یہ دن فکر کے نہیں
 بے جا خیال و وسوسے و ذکر کے نہیں
 اوروں کی فکر کر گنہ یوں وقت گزارو
 مستقبل حیات کو اپنی سنوارو
 مانا کہ ہم میں چاند کی تابندگی نہیں
 مانا کہ آفتاب کی وہ روشنی نہیں
 پھر بھی یہ ہم سمجھتے ہیں لعل و گہریں ہم
 جس کی نہیں ہے شام کوئی وہ سحر میں ہم
 مفلوح ذہن ہونہ تمہارا نہ پست ہوں
 قابل کبھی نہ لپٹی اہل شکست ہوں
 کیوں لپٹی خیال کو دل میں جگہ بھی دو
 مننے کا جو مقام ہے کیوں اس جگہ پہ رو
 عزم جواں کو لے کے جو آگے بڑھو گے تم
 طوفان کی قہر ہے نہ پیچھے ہٹو گے تم
 میری دعائیں ساتھ ہیں پیچھو تو پھلو کھلو
 تم و جہہ زندگانی ہو تم زندگی کو

یہ زندگی تو میری کوئی زندگی نہیں
 تم سب کی یہ خوشی ہے تو میری خوشی نہیں
 اکثر ہیں جن کو خود نہیں احساس زندگی
 میں بھی نہیں کہوں گی کہ یہ زندگی نہیں
 فطرت مری نہیں ہے نہیں ہے یہ میری چال
 احسان اس کا ہے کہ بنایا ہے ذو الجلال
 پست و بلند شور و شر کا خیال کیا
 جینے کی آرزو ہے تو جینا محال کیا
 میں ہنس رہی ہوں زندگی گر اشک بار ہے
 اُس کو نہیں تو مجھ کو اُسی اس سے پیار ہے
 زاہد کی زندگی ہے نہ واغظ کا پند ہے
 انسان ہوں فضائل انسان پسند ہے
 لے جان زندگی گانی سے کرتی نہیں پرہیز
 جائز اصول سے مجھے ہرگز نہیں گریز
 اب کیا کہوں کہ فکر نہ تم اس کی کچھ کرو
 یوں غالب تو خیالوں کو دل میں جگہ نہ دو
 کیوں وسوسے یہ آپ کے دل میں فضول ہیں
 باتیں یہ بچنے کی ہیں یہ ساری بھول ہیں

اپنا مزاج گرچہ بہت تند و تیز ہے
 میں یہ نہیں سمجھتی کہ یہ رستخیز ہے
 گذری بہت ہے تھوڑی سی مٹس کر گذاروں
 گر یہ نہیں تو میں اسے رو کر گذاروں
 منگامہ کس کو کہتے ہیں اسے طفلِ خوشحصال
 منگامہ زندگی ہے تو ہر موڑ اک و بال
 ہر موڑ زندگی کا ہے پارینہ خیال
 کہتے ہیں زندگی جسے زندگی محال
 شاگر ہوں اپنے حال پہ خود کو کروں نہ معاف
 اتنا ضرور کہتی ہوں میں تم سے صاف صاف

اپنے بچے اکبر حنیف کے لئے

ایک شعر

یہ ہے وہ پھول اے تحسین نہ کھلائے نہ مرجھائے
 رہے گا یہ سدا یوں ہی بہار آئے خزاں آئے



گمشدہ انگوٹھی کے دوبارہ ملنے پر!

کتنی یادیں تجھ سے وابستہ ہیں انگوٹھی مری
 تجھ کو کھو کر بڑھ گئی تھیں اور تو سر میں تری
 منعکس سی ہو گئی تھیں دل میں تنویر میں تری
 زندگی وہ ہے کہ سجدوں کی مزورت ہی نہ ہو
 زندگی وہ ہے جو مرہونِ مسرت ہی نہ ہو
 کتنی یادیں تجھ سے وابستہ ہیں انگوٹھی مری

تو مری روٹھی تمنا کا درخشاں خواب ہے
 داستانِ زندگی کا جیسے میرے باب ہے
 تجھ میں مضمونِ میرے نغمے گیت ہیں شہکار ہیں
 زیبِ قرطاس و قلمِ روٹھے ہوئے افکار ہیں

کتنی یادیں تجھ سے وابستہ ہیں انگوٹھی مری

ڈر رہی ہوں اس سرت کی نئی تمہید سے
خوف ہے پھر آج کی اس باہمی تجسید سے
عارضی میری خوشی یہہ رنجِ دیرینہ نہ ہو
آج کی تجدید پھر اک عہدِ پارینہ نہ ہو

کتنی یادیں تجھ سے وابستہ ہیں انگوٹھی مری

برشتہٴ انس و محبت کو بڑھا کر اور بھی
پیار اور اخلاص کے اندازہ ڈھا کر اور بھی
چھوٹنے پر مجھ سے تو مجبور ہو جائے کہیں
ڈھونڈ میں پاؤں نہ تجھ کو جو کھو جائے کہیں

کتنی یادیں تجھ سے وابستہ ہیں انگوٹھی مری

ایک شعر

آہ کیا نالوں میں بھی احساسِ پستی آگیا
آہ کیوں مظلوم کی سوئے فلک جاتی نہیں



نظم

وقت بھی ٹھنڈا موسم ٹھنڈا دل کی بہاریں تازہ تازہ
 آنکھوں کے چمکتے پیمانوں میں مستی کا ہو جیسے غازہ
 وہ شرم و حیا کی تصویریں وہ صدق و صفا کی تصویریں
 کچھ برق بنیں کچھ طور بنیں مجبور بنیں مجبور بنیں
 سو غائیں ملی ہیں کیا کیا کچھ اس جذبہ دل کو کیا کہئے
 محصور تھے جلوے آنکھوں میں آنکھوں کے مقابل کیا کہئے
 اک پردہ سمیں پر جیسے اک وحشت سادہ کا عالم
 اوراق پریشاں پر جیسے اک تلخی سادہ کا عالم
 گفتار میں پہناں معنی سی رفتار میں پہناں لغزش سی
 اک چوٹ میں تازہ درد ہو جیسے اور ہلکی سی ہو سوزش بھی
 محسوس فضا میں بڑھ بڑھ کر مسکاتی رہی تھیں غوشیوں کو
 اٹھری ہوئیں چلی چلی کر بکھراتی رہی تھیں زلفوں کو
 بے تاب نظر کے پروانے بے تاب سفر کے دیوانے
 ساقی کی نظر کے صدقے میں کتنے ہی بنے ہیں افسانے



” مکتوب گذشتہ پہ پڑی میری نظر آج “

مکتوب گذشتہ پہ پڑی میری نظر آج
ساحل کا سکون ہو گیا پھر زیر و زیر آج

کچھ نامہ و پیغام کی بے ربطی کے شکوے
کچھ یاس و اُمید کے سہمے ہوئے لمحے

لفظوں کی حلاوت تری وہ لطف بھرا ہے
ہر چوٹ کو ہرزخم کو دل ڈھونڈ رہا ہے

ٹپکے ہیں مری آنکھ سے بے ساختہ آنسو
تخیل کی پرواز کا عالم ہے کہ ہے تو

سیماب ہے اک موح ہے اندازِ تخیل
نشر کا اثر رکھتا ہے افکارِ تغزل

یا درج ایام کے دھندلائے سے نقشے
ہیں آج بھی وابستہ وہ ٹوٹے ہوئے رشتے

پر کیف و حسین عہدِ گزشتہ کے سہارے
پھر بن گئے میرے لئے طوفان کے دھارے

اے جانِ تمنا ترے افکار پریشاں
رکھتے ہیں مہرے واسطے اندازِ بہاراں

اے خامہ تری نوک زباں چوم نہ لوں کیوں
اس مہر و صداقت پہ تری جھوم نہ لوں کیوں

ظلمت کی سیاہی میں سحر دیکھ رہی ہوں
دلہ روزِ تمنا کا اثر دیکھ رہی ہوں

تعمیر میں تخریب ہے تخریب میں تعمیر
اس طرح سے ہم دیکھتے ہیں خواب کی تعبیر

منستے بھی ہیں ہم دیدہ پریم کے سہارے
خوشیوں کو بھی ہم ڈھونڈتے ہیں غم کے سہارے

ہر موڑ پہ ہم ڈوب کے نکلے ہیں کنارے
ساحل پہ پہنچ جاتے ہیں موجوں کے سہارے

بالوں نگاہوں کو ستاروں میں بدل دیں
گفتن کی خراؤں کو بہاروں میں بدل دیں

آکاش کو فورات زمیں چوم ہی لیں گے
اس گردشِ سیہم پہ کبھی گھوم ہی لیں گے

یہ چرخ کے مہ پارے یہ مغزور تارے
دیکھیں گے کبھی دھرتی یہ یہ کیفِ نظارے

ایک شعر

آج راہ ارتقاء میں ہے ضوابط اک چٹان
چاہتی ہوں کچھ بڑھوں آگے کہ ٹکراتی ہوں میں



موضوعاتی نظم

تو ہے اپنے لئے اک پھول کے زر کی صورت
دور سے دیکھتے ہیں ہم گلی تر کی صورت

پاس جن کے تجھے ہونا تھا نہیں ہے ان کے
اجنبی لگتی ہے تجھ کو توے گھر کی صورت

کسی آنی کسی ممتا کو سنا ہے تو نے
جانتی ہے تو فقط اپنے پدر کی صورت

یوں تو سب چاہتے ہیں زیور زر کی صورت
پھر بھی لگتی ہے وہ اک خاک لبر کی صورت

چاندنی راتوں میں کچھ کوڑھ کے دھبے ہیں ابھی
دل کے اندھیاردوں کو کر دے تو سحر کی صورت

درد بن کر نہ ٹپک اشک مسلسل کی طرح
بند رہ تو میری آنکھوں میں گہر کی صورت

تجھ کو الفت نہ سہی پاسِ مروت نہ سہی
ہم تجھے دیکھیں گے لیکن نظر کی صورت

لوگ خوش ہیں کہ زمانہ تو ہنوز اُن کا ہے
ہم تکا کرتے ہیں دیوار کی درد کی صورت

ایک شعر

توڑ پھینکوں بندشوں کو کس طرح ماحول کی
اکثریت کو یہاں الجھا ہوا پاتی ہوں میں



نظم

مہرے معصوم ارمانوں کے دریا میں طلاطم ہے
 مہرے تخیل کی پر واز کا کس سے تصادم ہے
 خرد ہے ہم سے بیگانہ جنوں سے ہے شناسائی
 ادھر بے تابیاں دل کی ادھر غم میں شکلیاں
 ادھر ہے صحن گلشن میں بہاروں کو پشیمانی
 ادھر زعموں کی حدت نے جو کی پیر لہ سا مانی
 تری خود بینوں نے لذت درد جگر بخشا
 صداقت دی نگاہوں کو دعاؤں کو اثر بخشا
 گداز لذت دل بھی تری دلدار یوں سے ہے
 کہ تو نے چشم پر غم کو مستاع مجرو بر بخشا
 مٹا دیتی ہیں جب آپس عموں کے نقش باطل کو
 مری بہکی ہوئی نظریں بھی پالیتی ہیں سہل کو

سونی سونی رہ گذر ہے زندگی

محاف تم کو دو تو بخشش ہے مری
 جانتی تھی شجہہ ہے زندگی
 کاش آجا تو چلنے بھی نہ دوں
 آگ اک سینے میں ہے دہکی ہوئی
 آتے جلتے روز و شب کے درمیاں
 اک خوشی اک جود بے کراں
 چھٹ رہا ہے میرا شہر آرزو
 زندگی بارگاہ کسلائی گی
 اس چمن کی بات کوئی بات ہے
 دن کے سایوں سے بھی گھبراتی ہیں میں
 رونق محفل تمہارے دم سے تھی
 اک تصور ایک دیرینہ خیال
 جوش گریہ جوش پر آیا ہوا
 جھجھو و سرخوشی کی آرزو
 زخم دل بن جائے گا درد نہاں

ورنہ محشر میں بھی ہوں بے خفاں
 پھر بھی تمہا غنسی نفسی پرگماں
 بڑھ کے پیلکوں پر اٹھاؤں ہر نشان
 سانس لیتی ہوں تو اٹھتا ہے دھواں
 زندگی لیتی رہے گی چمکیاں
 ہو گا میدان حاصل عمر رواں
 میرا قبلہ میرا کعبہ ہے یہاں
 کیسے کیسے موڑ آئیں گے یہاں
 جن چمن کا ہونہ کوئی باغباں
 کانٹتی ہیں رات کی پرچھائیاں
 ڈس رہی ہیں منجمد تنہائیاں
 دور تک بچنے لگیں تنہائیاں
 زخم دل لینے لگے انگوٹھائیاں
 بن رہیں میدانِ مقرر تلخیاں
 بے زبانی ہو گی میری داستان

سوئی سوئی رہ گذر ہے زندگی
 لٹ گیا ہے آج میرا بوستاں
 اے صنم ایماں فردشی کی قسم
 میری دنیا کامیں کوئی نہیں
 سجدہ گاہے ناز ہے چوکھٹ تری
 تمہاری نازک مزاجی پہ بھی لاف
 تم تو میرے گوہر نایاب تھے
 بخش دو میرے مجازی وہ خدا
 حسرت دیدار کو آنکھیں مری
 تہقے دزمزے باقی نہیں
 وہ صدائے شبنی باقی نہیں
 میرے نوشت میرے ہمد تم ہی تھے
 دھونڈتی ہیں تم کو آنکھیں کو یہ کو
 تم مکمل تھے سکون دو جہاں
 کل تو ابرو کی شکن بھی بار تھی
 دو قدم آگے بڑھا جاتا نہیں

عندلیبان چمن بے خامشاں !
 ہو چکا ہے اب یہ پابند حسراں
 تم ہی ایماں تم ہی تھے جہاں جہاں
 کیسے سمجھاؤں تمہیں اے جہراں
 دھونڈتی ہوں اب میں قدموں کے نشاں
 کس لئے تنہا گئے وہ جہراں
 زندگی کتنی رہی ارتاں یہاں
 التجا ہے اب یہہ تم سے جہراں
 عمر بھر میں اشک باروخیں نشاں
 دوسروں کی ہے منہی بارگراں
 ہر قدم ہے اب زمیں خدشاں
 اب نائے جاؤں کس کو داستاں
 کتنی بے بس ہوں خرابات جہاں
 اب نظر میں نقش ہے کل جہاں
 اب ہو تم ہی میری عظمت کا نشاں
 تم کہاں ہو میرے میر کارواں

رہ روئے گمانہ منزل ہوں میں
 سو گئی ساری خدائی ایک میں
 جانے کتنی ابھینیں ہوں گی جواں
 جاگتی ہوں صورتِ خواب گراں
 یہ مہری سعی طلب ہے رائیگاں
 بے قرار دیکوں و مضطرب



لائی پیامِ عید کا باد بہار ہے
 پھر آج تحسینِ رحمت پروردگار ہے
 گر پاس پائیں ہوں تو گلے مل کے خوش رہیں
 گردور ہوں تو حسرتِ دیدارِ یار ہے



عید

دامن کی دھجیوں کی گریباں کی عید ہے
 کل گبر کی تھی آج مسلمان کی عید ہے
 کعبے میں شیخ دربر میں ہے برہمن کی عید
 شور غم حیات میں انسان کی عید ہے
 آنکھوں میں ان کے خواب پریشاں کی عید ہے
 لب پر خموش آہ غریباں کی عید ہے
 اس عید کے شمار ہے آخر ہے کس کی عید
 گھر میں خزاں ہے اور گلستاں کی عید ہے
 سجدے ہیں پائمال جبین نیاز میں!
 زخم حیات کا کل پیچاں کی عید ہے
 دیکھو حریم ناز زلیخا کی عید ہے
 بازار مصر میں معہ کنعاں کی عید ہے

۵۲

غفر لیا



تنہا ہوں بہت ساتھ نبھانے کے لیے آ
 اک درد ہوں سینے سے لگانے کے لیے آ
 عنوان نیا بن کے فسانے کے لیے آ
 احسان کوئی کر کے جتانے کے لیے آ
 کھونے کے لئے آ کبھی پانے کے لیے آ
 دانستہ مہرے دل کو دکھانے کے لیے آ
 مجھ کو نہ جلا دیں غم ہستی کے شرارے
 جو آگ لگی ہے وہ بجھانے کے لیے آ
 سو قے رہے اک عمر امیدوں کے سہارے
 آنکھوں سے مری نیند اڑانے کے لیے آ
 چھوٹی ہوئی منزل کے مسافر ہی سہی ہم
 ٹوٹی ہوئی راہوں کو ملانے کے لیے آ
 کچھ کم نہیں یہ بھی ترے اشکوں کی غایت
 زیراب سہی مجھ کو پلانے کے لیے آ
 تحسین کوں پھر سے یہاں جشن چراغاں
 تو میرے شب و روز پہ چھانے کے لیے آ



آوارہ بہاروں کو منزل کا پتہ دے دو
 جو درد سے بھر آئے اس دل کو صدا دے دو
 ہم دور سہی لیکن مجبور سہی لیکن
 آئیں گے مگر ملنے ایک بار صدا دے دو
 شوریدہ فضاؤں میں انجان سی راہوں میں
 جلتے ہوئے زخموں کو دامن کی ہوا دے دو
 رخسار کی سرخی کو ہونٹوں کے تبسم کو
 دشوار سہی لیکن تم رنگِ جیا دے دو
 کعبہ ہے کیسا ہے ٹوٹے نہ کسی کا دل
 اندازِ محبت کے کچھ بہرِ خدا دے دو
 دل گردِ کدورت سے دھندلا بھی اگر جائے
 پھر ہر محبت سے تھوڑی سی جلا دے دو
 موسم ہے بہاروں کا غنچوں کے چٹکنے کا
 کھلتی ہوئی کلیوں کو بیغامِ صبا دے دو
 سرکارِ مدینہ ہو طوفاں میں سفینہ ہو
 بے تاب جبینوں کو نقشِ کفِ پا دے دو
 مشکل ہی سے ٹوٹیں گے جو پیار کے رشتے ہیں
 سو بار اگر ٹوٹیں تجریدِ وفا دے دو



دل خستگی سے آج بھی بے حد اُداس ہے
 آنکھوں میں دیکھئے تو سمندر کی پیاس ہے
 افسردہ اس لئے ہوں کہ دنیا کی ہے خوشی
 امید ہے کوئی نہ کہیں کوئی آس ہے
 حال تباہ ان سے نہ کہنے کی بات ہے
 ان کی نظر سنا ہے قیافہ شناس ہے
 وہ ان کا ظرف ہے یہ مرے ظرف کی ہے بات
 وہ ہیں ستم تراش مجھے ان کا پاس ہے
 دنیا نے کیا دیا ہے مجھے اس کا غم نہیں
 شکوہ بتوں سے مجھ کو ہے نہ التماس ہے
 حال تباہ تحسین نہ کہنے کی بات ہے
 ان کی نظر سنا ہے قیافہ شناس ہے

ایک شعر

ڈبلوئی زلیست کی کشتی کرم نے نا خداؤں کے
 وفا کی پامٹائی شوق کی تحقیر بھی دیکھی



غم بھول جاؤں درد کی ہر ایک بات کا
 مل جائے مجھ کو ایک تبسم حیات کا
 یہ دھوپ چھاؤں زیست کی یہ گردش حیات
 ہم خوش ہوئے تو درد ملا کائنات کا
 کس نے وفا کی کس نے جفا وقت کی ہے بات
 اب کیا حساب رکھیں یہاں بات بات کا
 یہ صبح لازوال سی یہ شام دلنشین
 نقشہ حسین ہے زندگی بے ثبات کا
 ہم بھی نہ خوش ہوئے ہیں کبھی تجھ سے چھوٹ کر
 آتا ہے یاد دور ترے التفات کا
 ہم تم ہوئے جو ساتھ زمانے کو ہے گلہ
 یوں کچھ طویل ہو گیا قصہ حیات کا
 تم بھول جاؤ گے تو قیامت نہ آئے گی
 چرچا ضرور ہو گا ذرا واقعات کا



”تیرے بغیر زندگی درد ہے زندگی نہیں“
 مہری سیاہ رات میں کوئی بھی روشنی نہیں
 تم جو طو تو لوٹ کر آئیں گے دن بہار کے
 مہری مہنی مہنی نہیں میری خوشی خوشی نہیں
 کافی ہے عمر بھر مجھے تیری نگاہ التفات
 بیٹی رہوں جو عمر بھر بھر بھی وہ بے خودی نہیں
 میرے چمن کا بانگین شائستہ بہار سے
 سرو سمن کی زندگی یہ کوئی دل لگی نہیں
 دن کے کرم کے ذکر نے درد مرا بڑھا دیا
 دی تو تھیں کچھ تسلیاں درد میں کچھ کمی نہیں
 جن کی سرتوتوں پہ تھا زغم وہ زغم اب نہیں
 دل میں سکوت سا ہے اب آنکھوں میں اب نمی نہیں
 لطف تمام میں بہم دل کو مگر ہے اضطراب
 بچھو لوں میں تازگی نہیں کیوں میں نغمگی نہیں



لو دھوپ ڈھلی دن کی لو شام چلی آئی
 لو گھٹنے لگے سائے بڑھنے لگی تنہائی
 ہر وقت زمانے سے بیداد نئی پائی
 اک چوٹ کے لگتے ہی ہر چوٹ ابھر آئی
 پھر ان سے ملے ہیں ہم پھر یاد کوئی آئی
 لی درد نے پھر کروٹ چلنے لگی پروائی
 اینوں ہی نے چھینا ہے تسکین کا ہر پہلو
 پھر درد کے ماروں کی ہونے لگی رسوائی
 یہ میرا دل پیرخوں یہ ضبط کا خوگر ہے
 یہ جب بھی جھلکتا ہے ملتی ہے شکیبائی
 ہنس ہنس کے یہ روتا ہے رو کے یہ منتا ہے
 کیا بات ہے اس دل کی سودائی ہے سودائی
 گلشن میں بہاروں سے جب ہم نے نہیں پایا
 ٹوٹے ہوئے ڈالی کے کچھ پھول صبا لائی
 تم عشق مجسم ہو ہم حسن مکمل ہیں
 ہم ایک تماشا ہیں دنیا ہے تماشا ٹائی
 کس کس کی دہائی دی کس کس سے شفا مانگی
 اب چھوڑو بھی اسے تحسین کی کس نے مسجائی



ذہن بے دار ہے دل شاد تمنا مسرور
 کس کے دامن کی ہے نکمت کہ صبا لائی ہے
 گل بد اماں ہیں ضیا تابِ نظارے شب کے
 آئینہ ساز ہے آئینہ ہے یکتائی ہے
 کیا وہ انداز قیامت پہ قیامت ہول کے
 جن کے انداز میں اندازِ شکیبائی ہے
 جانے کس دل سے یہ آواز مجھے بھی آئی
 زندگی خاک لبر ہے کہ بہار آئی ہے
 وحشتیں کہہ کے الجھتی ہیں گریبانوں سے
 خود تماشا ہے قوارِ تماشا شانی ہے
 تحسینِ منگامِ تمنا بھی سکوں پرور ہے
 کتنے منگاموں سے پوشیدہ بہار آئی ہے



مہرے اشک تیاں گر جائیں گے دریا کے سینے پر
 صدف سوز دگر سوز د جو بحر بے کراں سوز د

زمین سوز د زماں سوز د نہاں سوز د عیاں سوز د
 اگر گویم زباں سوز د نہ گویم استخوان سوز د

اگر آہ تیاں ساقی مرے ہونٹوں پہ آ جائے
 وہ جام آتشیں سوز د وہ رند میکشاں سوز د

خرد سوز د جنوں سوز د ہمہ این داستان سوز د
 خیال عاشقان سوز د جمال مہ و شاں سوز د

در این محفل دل غور شدہ تختین شمع ساں سوز د
 دل ما سوختہ سوز د جو جاں ناتواں سوز د



اندھیروں سے اُجاڑے جگمگائے
بہت رو رو کے ہم بھی مسکرائے

چراغِ زندگی تک کانپ جائے
کوئی اتنا بھی نہ دل کو دکھائے

خطائیں بھی تو جزوِ زندگی ہیں
کہاں تک کوئی دامن کو بچائے

ستارِ سرخوشی میں ہم چلے تھے
گنجھیرے ہو گئے ہیں غم کے سایے

نبھا یا تم نے یوں عہدِ وفا کو
کبھی دوری کبھی تم پاس آئے

کوئی گلشن کوئی بستی کہ صحرا
نظارے کب ہمیں یہہ راس آئے

زمانے کی زگا ہوں سے بچا کر
مہتارے درد کی سوغات لائے

تصور نے کہاں پہنچا دیا ہے
ہزاروں روپ نہیں تم یاد آئے

خطا یہ ہے کہ ناگردہ گتاہ میں
پشیمان جی رہے ہیں سرجدکائے

بہار آئی فضا ہلکی کھلے گل
مجھے اے دوست تم بھی یاد آئے

سلامت دشت پیمائی اے تحسین
کوئی منہ منہ کہ پھر تم کو بلائے



آپ دوٹھے رہے آشفستہ مزاجوں کی طرح
کتنے حق ہم نے چکائے ہیں حبابوں کی طرح

اب نہ وہ دن ہیں نہ راتیں نہ وہ تفریق طبع
زندگی لگتی ہے ٹوٹے ہوئے خوابوں کی طرح
کوئی تفریق نہیں ہوتی ہے کشن میں کبھی
ہم نے کانٹوں کو بھی چاہا ہے گلابوں کی طرح

اس طرح اجڑے ہیں آباد خرابے میں ہم
ہرے گماں خود پہ کہ ہیں خانہ خرابوں کی طرح
زندگی بھول سہی فتنہ دوراں کی قسم
سطحِ زلیست پہ ٹوٹے ہیں حبابوں کی طرح

تم تصور کے تراشے ہوئے پیکر ہو وہی
حصے کو ہر رنگ میں دیکھا ہے سراپوں کی طرح
اسے دیکھا اسے سمجھا اسے برتاؤ حسین
زندگی پھر بھی رہی بند کتابوں کی طرح



روئے ہیں ہم بھی دیدہ یعقوبؑ کی طرح
صابر رہے ہیں حضرت ایوبؑ کی طرح

دامن دریدہ حضرت یوسفؑ سے ہم رہے
اچھی اگر نگاہ تو محبوبؑ کی طرح

وہ ایک شخص چھٹ کے بھی جو ساتھ ساتھ ہے
پڑھتا رہا ہے پھرے کو مکتوبؑ کی طرح

کیا آپ محشر میں بھی رہیں گے حساب داں
ہم سے ملانے کیجئے تحسوبؑ کی طرح

دنیا نے سہرا اٹھانے کے قابل ہی کب رکھا
سہر کو جھکا دیا کسی معتبؑ کی طرح

دنیا کے ناز اٹھانے کو کیا ہم ہی رہ گئے
ملتا ہے ہم سے ہر کوئی مطلوبؑ کی طرح



دل ویراں میں بہاروں کے پھیر آئے
شبِ ظلمات میں کئی چاند سے پیکر آئے

بزمِ اغیار میں کیا جانے کس کس کی طرف
تری آنکھوں کے چھلکتے ہوئے ساغر آئے

مثلِ برسات ہوئی آنکھوں سے بارش اتنی
یوں لگا ہم کو کہ ہم پی کے سمندر آئے

زندگی تیرے لئے ہم نے تری راہوں میں
لوگ کہتے ہیں بڑی دور سے چل کر آئے

کون کہتا ہے کسے پیار سے ہے پیار ملا
ہم پہ بچھو لوں کے عوض سیکڑوں پتھر آئے

خشک پیڑوں کو اس انداز پہ سینچا تجھ سے
کیا پتہ کب مرے گلشن میں گلی تر آئے



ہمارے حسن کی یہ نائیاں ہیں
تمہاری انجمن آرائیاں ہیں

وسیع تر شوق کی ارزانیاں ہیں

فزوں تر دشت کی پنہائیاں ہیں

وہ تجرید و فغان کا تصور
بڑی قاتل مری تنہائیاں ہیں

نہ چاہتا اب کبھی اس بے وفا کو
دل پر خوں تری رسوائیاں ہیں

مرا جام طرب بھر دے اوسا قی
چھلک جائیں گی جو تلخائیاں ہیں

میں منس دوں تو رلا دگی یہہ دنیا
زمانے کی عجب غم خواریاں ہیں

ایک شعر

جلوہ خود سری سہی ان کی جبیں شوق میں
اپنا بھی سنگ آستان دیر و حرم سے کم نہیں



اک حسین رات بھی ہے ان سے ملاقات بھی ہے
بارشِ لطفِ کرمِ صنِ مراعات بھی ہے

کیوں سمجھتے ہو مری زلیست کو کو را کا غم
رنگِ آمیزی بھی ہے درد کی سوغات بھی ہے

آؤ مل جاؤ گلے چھر یہ گھڑی ہو کے نہ ہو
عید سی عید بھی ہے رسمِ مراعات بھی ہے

آپ کی یاد سہی دیدہ پر خون کا حصول
زندگی جشن بھی ہے شورشِ آفات بھی ہے

آپ کو ہم سے گلہ ہم ہیں جفا کیش سہی
یہ حقیقت ہی سہی طرزِ حکایات بھی ہے

زندگی سے ہیں ولے تو ہے ہر آن ہی پیار
اس پہ ترغیبِ وفا آپ کی خود ذات بھی ہے

اَوّل بیٹھیں زمانے سے بہت دور کہیں
ہر بان وقت بھی ہے فرصتِ حالات بھی ہے

وا غلط پیر حرم آپ کو ہم جانتے ہیں
رند میخانہ بھی ہو لب پہ مناجات بھی ہے

اپنی آنکھوں پہ یہ الزام کہ میخانے ہیں
تحسین شاعر ہی نہیں رندِ خرابات بھی ہے

ایک شعر

پھٹکتا ہو دل بھی جب نفسِ زندگی کے ساتھ
بچھریوں کیوں کہوں کہ آہ میں میری اثر نہیں



کھٹکھٹا جاتی ہے در باد صبا رات گئے
دیر تک آتی ہے دشتک کی صد رات گئے

تہاں دی چاند نے چاندی کی رد رات گئے
زخمِ دل ہو گیا ہر ایک ہر رات گئے

صبح دم لگتی ہے بیمار تمنا کی آنکھ
یوں رہا ہوتے ہیں پابند سہزاد رات گئے

آپ کو مانگ کے ہم بھول گئے ہیں خود کو
یوں بھی اٹھے ہیں کبھی دستِ دعا رات گئے

کوئی چنگاری نہیں ہے دل خاکستر میں
کیوں سلگ اٹھتا ہے پھر دشتِ وفات گئے

کچھ تھے اوراق پریشاں غمِ ہستی کا حصول
یہ اڑی ان کو بھی کل دستِ صبا رات گئے

شمعِ دل نہ بجھاؤ کہ اندھیرا ہے بہت
کیوں دیے جاتے ہو دامن کی ہوا رات گئے

داستانِ دلِ ناکام ابھی باقی ہے کہاں
کون دیتا ہے مجھے اب بھی صدارت گئے

بعدِ مرنے کے وہ مرقد پہ پشماں کیوں ہیں
کیوں لیے آتے ہیں وہ پھولِ ذرا رات گئے

دلِ دیوانہ کو شبِ مہر تو منا یا تحسین
پڑھ گئی اور بھی کچھ بیمِ درجا رات گئے



کاسۂ ظلمت ہستی میں چراغاں نہ کرو
زندگی کو مری اور نگہ سلیمان نہ کرو

خود فریبی کو سرِ آبوں میں ابھی رہنے دو
سامنے لا کے حقیقت کو لیشماں نہ کرو

غم کے فانوس کو جلنے دوسرے خانے میں
لذتِ درد کو منت کشی درماں نہ کرو

اپنے ترکش ہی میں رہنے دو مکاںِ ابد
آئینہ دیکھ کے آئینے کو حیران نہ کرو

پوچھتے پھرتے ہو کیوں قیمت سودائے خلوص
چند سکوں کی غوفض حاصل ایمان نہ کرو

ٹوٹنے پائے نہ تلخسایہ ہستی کا خمسار
دل کے آباد خوابے کو بیابان نہ کرد

موج طوفاں میں بھی مل جاتا ہے منزل کا پتہ
کشتی زیست کو طوفاں سے گریزاں نہ کرد

ہم چین میں ہیں مگر لالہ صحرایہ کی طرح
دل کو احساس کی شدت سے فروزاں نہ کرد

یوں نہ تصویرِ الم بن کے یہ کہے تحسین
میں پریشاں ہوں مجھے اور پریشاں نہ کرد

ایک شعر

آپ پھونکوں سے بچھانے کی نہ کوشش کیجئے
مری منہی میں سحر ہے کوئی قندیل نہیں



زندگی راس نہیں راس بھی ہے آئی بہت
کیسے کہدوں کہ نہیں کی ہے مسیحائی بہت

کوئی نغمہ بھی میرے دل کا مسیحا نہ ہوا
ساز چھیڑے ہیں بہت ہم نے غزل گائی بہت

بے وفا آج بھی کہتا ہے زمانہ مجھ کو
کل تلک آپ سے ملنے میں تھی رسوائی بہت

پھول گلشن میں کھلے ہیں نہ بہار آئی ہے
تاویلیں کرتے رہے وقت کے سودا لی بہت

کچھ مال غنم ہستی کا سبب ہو نہ سکا
اٹھ کے ساون کی گھٹاب کے برس چھائی بہت

مٹر کے دیکھوں مجھے حالات نے فرصت ہی نہ دی
دور تک ساتھ مرے تیری صدا آئی بہت

تیری آنکھوں کے طلاطم نے ڈلو یا مجھ کو
دل نے کی تھی مرے زخموں کی پذیرائی بہت

روز ہی ٹپکا ہے احساس کی آنکھوں سے لہو
زندگی بادہ و ساغر سے بھی بہلائی بہت

جھوٹ کہ آپ سے سمجھے تھے کہ ہم بھول گئے
یا د آئی جو کبھی آپ کی یاد آئی بہت

دل کو یہہ بھی تو گوارہ نہ ہوا اے تحسین
آپ نے کی تو تھی تجھ دید شکیبائی بہت



وہ پہروں سامنے ہوتے ہیں پر باتیں نہیں ہوتیں
 منور چاندنی میں چاندنی راتیں نہیں ہوتیں
 امنڈ آتے ہیں بادل گھر کے پر ساتیں نہیں ہوتیں
 حسیں دھوکے نہیں ہوتے حسیں گھاتیں نہیں ہوتیں
 بگڑنا، روٹھنا، لڑنا، مرا اس دشمنِ جاں سے
 وہ اس کی جیت باقی ہے مری ماتیں نہیں ہوتیں
 وہ مشفق اور وہ مونس وہ ہمدرد اور وہ ہمرنگ
 یہ غم ہوتا ہے سب خوشیوں کی بارائیں نہیں ہوتیں
 ہمیں نے میکہ چھوڑا ہمیں نے توڑ دی مینا
 کہاں پر حسن والوں کی مدارائیں نہیں ہوتیں
 خدا، والوں میں بھی تحسینِ خلوص دل نہیں باقی
 مرادیں پر نہیں آتیں مٹا جاتیں نہیں ہوتیں



گر سچ ہے کہ اپنی محرومی معراجِ تمنا ہوتی ہے
 آہوں سے ہوائیں دے دے کر کیوں غم کے دئیے کو بھڑکائیں
 اغیار کو جس پر رشک آئے وہ صبح تمنا دور نہیں
 اوہامِ زمین یوں ابھریں گے احرامِ فلک شرما جائیں
 وہ شب کے اندھیرے کانپ گئے وہ صبح کے سوتے چھوٹ پڑے
 اس مستی کے ڈرے ڈرے کو مان نہ گھر ہم چمکائیں
 وہ ہوش بھی اپنا ہوش نہ تھا یہ نشہ میں بھی اپنا نہ نہیں
 اب اہل جنوں سے کہدو کہ عجزِ جذب جنوں کو گرمائیں
 جب حضرتِ دل تھے ہوش میں تب قاتل سے رہیم سنبھلے
 اب جذبِ جنوں کا یہ عالم خود آپ ہی سے ہم شرما لیں
 لورات کے سونے جاگ اٹھے تو بچ کے جاگے اٹھ بیٹھے
 دو گام چلو وہ منزل ہے کیوں حسرتِ دل کو تڑپائیں



آہوں میں سموٹی جاتی ہے اشکوں میں بسائی جاتی ہے
 کیفیت درد و غم ہی سہی اشعار میں لگائی جاتی ہے
 مرمر کے سلامت اب بھی ہیں کچھ وجہ کرم کے صدقے میں
 مستی یہ ہماری ہستی ہے دن رات مٹائی جاتی ہے
 اس در کے سوالی ہم بھی ہیں کیا چیز نہیں ہے دامن میں
 کوئین کی دولت جس کے یہاں دن رات لٹائی جاتی ہے
 مانا یہہ مقدر اپنا ہے لے ضبط جنوں ایسا ہی سہی
 کشتی کو بھنور میں چھوڑ بھی دے ساحل سے لگائی جاتی ہے
 غیروں نے ہمیں کچھ لوٹ لیا اپنوں نے ہمیں کچھ داغ دیے
 اس در کا توسط قائم ہے جس در سے دہائی جاتی ہے
 طوفان و حوادث یہیم ہیں اپنے ہی لئے لاکھوں غم ہیں
 بس غم کی کہانی اپنی ہے جو آپ تنگ آئی جاتی ہے
 لازم ہے حیاتِ مستی میں ایک شورِ طلاطم برپا ہو
 جس وقت شبابِ دوراں کو اک نیند سی آئی جاتی ہے
 کچھ حوصلہ دل ابھر رہی بھی کچھ گیسوئے برہم سلجھے بھی
 کچھ چوٹ غموں کی ابھرے بھی ٹھوکر سے مٹائی جاتی ہے



آہوئے ختن دشت و دمن بھول گئے ہیں

ہم وسعت صحرا ہیں چمن بھول گئے ہیں

بے گانہ ہیں اس دشت میں سودائی نہیں ہیں

انجان ہیں گلشن کا چلن بھول گئے ہیں

اک عمر ہے اک جھیل ہے ان آنکھوں میں پنہاں

پایاب سے وہ گنگ و چمن بھول گئے ہیں

کانٹوں سے کشاکش حق سلامت رہا دامن

سے صحبت گل لطف سخن بھول گئے ہیں

ہر روز مداوائے دل زخم جگر ہے

تاروں سے بھرا نیل گلن بھول گئے ہیں

اک شکل بھی اب صورتِ احباب نہیں ہے

یاد ہم ہی روایاتِ تمہیں بھول گئے ہیں

دل ٹوٹ گیا جیت ہے اس شیشہ دل کی

یا یوں ہے کہ ہم جینے کا فن بھول گئے ہیں



نہ پذیرائی ہے کوئی نہ شکایت ہے
 آپ کو پانے کی چھو لینے کی حسرت کیوں ہے
 جامِ مئے تو بہ شکن تو بہ مری خام شکن
 آپ سے مل کے بھی اس دل کی اداسی نہ گئی
 ان سے ملنے کی لگن ان سے نہ ملنے کا غم
 دوست کچھ یوں بھی جلسے ستری یادوں کے دیے
 کس لئے صبح سگ اٹھے ہیں زخموں کے بند
 چاند کو ہوتی نہیں زیور و زری حاجت
 شکوہ دوست اگر کچھ رسوائی ہے
 کیا صبا آج بھی تجدید و فالا ہے
 زندگی دور تلک ایسے بھی ساتھ آئی ہے
 پھوہی غم وہی تنہائی سی تنہائی ہے
 دل ہے یہہ آپ کا یا عاشق ہر جا ہے
 دھوپ بھی زرد ہے اور شام بھی سولہائی ہے
 شام کیوں آج بھی محروم تمنائی ہے
 حن کب دہر میں منت کش زیبائی ہے

لوگ کہتے ہیں کہ تم نے تو مجھے چھوڑ دیا

میرا احساس کہ قدموں کی صدا آئی ہے

دو شعر

بن کے حسرت جم گئی آنکھوں میں بھر تو یہ شوق
 بے کہے افسانے خود ہی مختصر ہوتے گئے
 آہ جیسے دل کے زخموں کو ہوا دیتی رہی
 اور روشن یہہ چراغ رہ گذر ہوتے گئے



قصہ غم سناتی رہی زندگی
 ہم نے نقش قدم ان کے بڑھکر لیے
 ایک تصور کو سو سو طرح چوم کر
 خوب کر کے اس بت کے شکوے گلے
 وقت احساس کا رخ بدلتا رہا
 روشنی کے لیے انجمن میں مری
 دشت احساس چلتا رہا رات بھر
 چشم غم میں وہ اتارے مری رات بھر
 خوب ہستی ہنساتی رہی زندگی
 رات بھر مسکراتی رہی زندگی
 نقش انمٹ بناتی رہی زندگی
 چوٹ پر چوٹ کھاتی رہی زندگی
 مجھ کو درپن دکھاتی رہی زندگی
 کتنی شمعیں جلاتی رہی زندگی
 اینا دامن جلاتی رہی زندگی
 تیرتی مسکراتی رہی زندگی

کتنے خورشید آنکھوں میں جلتے رہے

چاند کتنے آگاتی رہی زندگی



منزل سے بڑھ گئی ہوں کہ منزل نظر میں ہے
 اک اضطراب سامے شام و سحر میں ہے
 اے گشتی حیات کے وہ رُخس تیسر گام
 کیوں اک غلش سی آج یہ زخم جگر میں ہے
 میں ہوں زمانہ ساز اگر یہ غلط نہیں
 اک تازہ انقلاب یہاں ہر نظر میں ہے
 اے چارہ گر تو قسمت اشک رواں نہ پوچھ
 انول اشک ہے جو مری چشم تر میں ہے
 دشت وفا میں رہبر و رہزن کہاں رہے
 لئے کا اشتیاق مجھے کیوں سفر میں ہے
 دشت سہی جنوں سہی بر گشتگی سہی
 جود استانِ غم ہے دل مقبر میں ہے
 الزام سب عدو کے مجھے یوں قبول ہیں
 لذت کچھ ایسی ہمت بیداد گر میں ہے



کسی نظر میں کسی دل میں بس رہی ہوں میں
 تڑپ تڑپ کے سہی خوب تنفس رہی ہوں میں
 بھری بہار میں بادِ سحر میں ساون میں
 مثال پھول چمن میں مچھلیں رہی ہوں میں
 "وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ"
 ہر ایک دور میں صبح جس رہی ہوں میں
 نظر نظر میں یہاں نفرتوں کے سائے ہیں
 نگاہ نرم روی کو ترس رہی ہوں میں
 بساط شوق میں کس کو دوام حاصل ہے
 کسی کے زخمِ محبت پہ منس رہی ہوں میں
 مجھے ملا ہی نہیں ہے غرورِ زیبائی
 گلوں میں گل ہی نہیں خارِ جس رہی ہوں میں
 مزاجِ دوست کی جولانیوں معاذ اللہ
 دلِ غریب پہ پیہم برس رہی ہوں میں



اتنے ہوئے ہیں دور کہ نزدیک آ گئے
آنکھوں سے اجتناب کے پردے اٹھا گئے

میرے دل تباہ کی عیادت کے واسطے
خوابوں میں بس گئے کبھی دل میں سما گئے

تھی بات اپنی ذات کی یا کائنات کی
اک قصہ الم تھا مجھے وہ سنا گئے

اس شورش حیات میں یادوں کے سلسلے
اشک رواں کی شکل سے آنکھوں میں آ گئے

بڑھتی گئی ہے اور بھی ذوق نظر کی پیاس
آنکھوں کے میکدوں سے وہ کتنی پلا گئے

اب کیا کہیں کہ کون خطا وار تھا کہاں
تھی مختصر سی بات فسانہ بنا گئے



اک میں نہیں ہوں، انجمن ناز وہی ہے
 دنیا کے شب و روز کا انداز وہی ہے
 موسیٰ تو نہیں ہے کوئی دیدار کا پیا سا
 پر اب بھی تری انجمن ناز وہی ہے
 ہم نے تو محبت کو بدلتے نہیں دیکھا
 بے درد زمانے ترا انداز وہی ہے
 اڑنے کی تمنا میں قفس لے کے اڑیں ہم
 پرواز وہی طاقت پر واز وہی ہے
 اب بخش نہیں دیتے سمرقند و بخارا
 قال رخ زیب او ہی شیراز وہی ہے
 این غنچہ گل است کہ آل خوار چمن است
 سر بد لے ہیں تحسین ابھی آواز وہی ہے

دو شعر

اے صبا تو ہی بتا کیسے ہیں یا ران بہ چمن
 پر سنش پھول تھی وضع گلستان خشتن
 ابھی باقی ہیں یہاں درد و مروت والے
 ہیں فروکش ابھی گلشن میں فدا یان چمن



جب کسی کو خانہ دل میں بسالتے ہیں لوگ
 مسکرا کر بار بار پلکیں جھکاتے ہیں لوگ
 لاکھ طوفان آندھنیوں میں جو کبھی نہ سمجھ سکیں
 ظلمتوں میں دیپ کچھ ایسے جلا لیتے ہیں لوگ
 اب بھی دستور محبت کو نبھانے کے لیے
 تہمتیں جتنی ملیں گی سب اٹھالیتے ہیں لوگ
 آتش نے شوق پر جاتے ہیں سجدوں کے لیے
 اور چاہت میں کسی کی نقش پالیتے ہیں لوگ
 زندگی کا حسن بھی نیکی سعادت بھی ہے یہ
 اس لئے بھی ہر دکھی دل کی دعا لیتے ہیں لوگ
 شعلہ دل کے بڑھانے کو ہوا دیتے تو ہیں
 آگ لگ جائے اگر دامن بچا لیتے ہیں لوگ

زندگانی رقص فرما صرف گلشن میں نہیں
 آشیانہ بجلیوں میں بھی بنا لیتے ہیں لوگ
 رسم دنیائے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں لوگ
 بات ان کے طرف کی ہے اپنا کیا لیتے ہیں لوگ
 عزم محکم ہو تو کچھ مشکل نہیں منبجہ ہا ر میں
 بن کے موج بے کراں ساحل کو یا لیتے ہیں لوگ
 آنسوؤں پر ڈالتے ہیں مسکراہٹ کی نقاب
 درد دل درد جگر کو یوں چھپا لیتے ہیں لوگ
 زلف و رخسار کے ہو جاتے ہیں خود ہی اسیر
 مثل نعل چھرتلپٹے کا مزہ لیتے ہیں لوگ
 مثل بیروانہ کہیں شمع پہ جل جاتے ہیں لوگ
 چشم میگوں سے کہیں آبِ بقا لیتے ہیں لوگ
 اب بھی تھیں شورش منگامہ، مستی سے دور
 دوست کو بڑھکے گلے اپنے لگا لیتے ہیں لوگ



اشک میرے صورت گریہ نکلتے بھی نہیں
 موج دریا میری کشتی یہہ طلاطم خیزیاں
 بزم میں دیکھ لے ہم نے کون ہیں اہل وفا
 جب دھند لکوں میں ملے زندگی کے کارواں
 دوست میرے اشک ہیں شبنم بھی موتی بھی
 ضبط غم میں ہم نے پائی لذت سوز و گداز
 ایک سی ہے بزم میں کیفیت میسے و شباب
 میرے مونس میرے مہم میرے شفیق ہمہوا

درد سارے زخم کے سانچے میں ڈھلتے بھی نہیں
 سارے طوفاں ساتھ کیوں میں بدلتے بھی نہیں
 شمع کے مانند پروانے پگھلتے بھی نہیں
 اب آجاول میں نشان راہ ملتے بھی نہیں
 جذبہ آجمل یہہ نہیں دامن میں رقتے بھی نہیں
 اب تمنائوں کے شاید خواب ملتے بھی نہیں
 بات کیا ہے ساقیا میکش بہلتے بھی نہیں
 زندگی میں زندگی کے ساتھ چلتے بھی نہیں

لوگ بھی بدلے ہیں تحسین وقت کی گردش کرتے

جو چراغِ رات تھے وہ آج جلتے بھی نہیں

تین شعر

دل کی دنیا لٹا لی جاتی ہے
 زندگی زندگی سے ملتی ہے
 جو بھی گزری وہی غنیمت ہے
 دل کا سودا کیا نہیں جاتا
 قصہ مرگ ہے مگر تنہا
 کون جانے کہ اور کیا ہو گا



دعوتِ ذوقِ عمل بھی نہیں دیوانوں کو
 جذبہٴ فکر دیں کس طرح سے پر وائوں کو
 کشتیِ دل ہی ڈبو دیں کہ کنارہ ہو جائیں
 کوئی ترغیب نہیں مجرمینِ طوفانوں کو
 اک ذرا حوصلہٴ دل بھی نہیں ہے جن کو
 وہ بھی جاتے ہیں کس انداز سے میخانوں کو
 کس قدر بدلے ہیں انداز بھی دیوانوں کے
 ہمنوا قیس کے جاتے نہیں دیرانوں کو
 جن گلستاؤں میں جز خاک بسر کچھ بھی نہیں
 ترے مایوس نہ لوٹیں ان ہی دیرانوں کو

ایک شعر

سیاد نے مٹا ہی دے یوں نشانِ قید
 طائرِ قفس میں جیسے گرفتار ہی نہ تھا



دے رہا ہے پھر فریبِ زندگی یہ دل مجھے
 دیکھتا ہے لطف کی نظروں سے پھر قاتل مجھے
 پھر مرے احساس کو احساسِ غم ہونے لگا
 پھر زمانے کہہ رہا ہے دیکھئے بسل مجھے
 میں تو وہ ہوں کہ جدا سایہ بھی مجھ سے ہے مرا
 آپ کیوں سمجھے ہوئے ہیں زلیت کا حاصل مجھے
 میں نے ہر منزل پہ چاہا اک نئی منزل ملے
 آج ٹھکراتی ہے جیسے ہر نئی منزل مجھے
 ضبطِ غم ہے حاصلِ داماندگی میرے لئے
 کب تلک کوئی رہے گی زندگی گھائل مجھے
 چھین لے میرے خدا مجھ سے میری فرزانگی
 اے شعورِ زندگی کر دے ذرا غافل مجھے
 اب بھنورِ گرداب و طوفاں سب کے سب ناکام ہیں
 اب کوم کر دے ڈبو دے تو ہی اے ساحلِ مجھے



اب ہم کو آن سے کوئی رسم و راہ بھی نہ رہی
 کرم تو خیر ستم کی نگاہ بھی نہ رہی
 طول دل ہے مگر وہ طال بھی نہ رہا
 کسی سے پہلی سی اب کوئی چاہ بھی نہ رہی
 وہ زندگی جو عبارت تھی چار لغظوں میں
 تباہ تھی تو سہی اب تباہ بھی نہ رہی
 وہ چار تنکے لشمین کے میری جائے پناہ
 وہ نذر برق ہوئے اب پناہ بھی نہ رہی
 وہ جن کی پریشی احوال روز روزی تھی
 نہ بچھڑ گئے ہیں تو اب گماہ گماہ بھی نہ رہی
 صلوٰۃ و صوم کی پابند زندگی تو نہ تھی
 جو میکہ سے سے ملی تھی وہ راہ بھی نہ رہی
 فسانہ غم ہستی عجیب ہے تحسین
 کہ کوئی بات ثواب و گناہ بھی نہ رہی



کہنے کو یوں تو آپ کی مجھ پر نظر ہوئی
 محروم انبساط مری چشم تر ہوئی
 اتنا نواز شوں نے تھا گستاخ کر دیا
 ہم پر حرام آج تری رہگزر ہوئی
 کہتے ہیں کائناتِ ادم سے ادم ہوئی
 کس کو خبر کہ شام ہوئی یا سحر ہوئی
 طوفاں بدوش ہو گئی جب موح تنگ تیز
 ساحل شناس جیسے ہماری نظر ہوئی
 اُن کے کرم کے نام پہ مہر کے جی اٹھتے
 پوچھے نہ کوئی ہم سے کہ کیسے بسر ہوئی
 اے دوست شب گزر گئی پچھلا نہ پوچھ
 کتنی دراز ہم یہ شب مختصر ہوئی
 گہہ دشت سے گزر گئے گہہ بوستاں سے ہم
 ہر دو نفس میں یاد تری چارہ گر ہوئی



کس جگہ حالات کا ماتم نہیں
 مٹ گئے کتنے ہی تیرے نام پر
 داغ دامن پر ترے آنے نہ پائیں
 زندگی ہے پھول بھی رخصت بھی
 خواہشیں اتنی کہ ہر خواہش عظم
 حسرت دیدار میں جیتے ہیں ہم
 غم میں جیسے کچھ شکیبائی بھی ہے
 میرے غم پر طعنہ زن ہواں طرح
 جیسے نبض زندگی ہی رک گئی

نظم عالم کس جگہ برہم نہیں
 پھر بھی طوفان حوادث کم نہیں
 ہم کو اپنا آپ یوں بھی غم نہیں
 میکے میں صرف کیف و کم نہیں
 کیوں کہوں میں حسرت یہم نہیں
 یہ بھی جیتے کو بہانہ کم نہیں
 زخم دل کو حاجت مرہم نہیں
 جیسے زلفوں میں تہاری خم نہیں
 کیوں مزاح دوست اب برہم نہیں

رنگ گل دگلتاں بھی ہے یہی
 صرف تحسین شاعری ماتم نہیں



کشتی بھنور میں چھوڑ دی طوقاں ہے ناخدا
 اب دیکھتے ہیں ہمت بیدار کو ہوسم
 اٹھٹھا ہوا غبار رہی منزل کا تمھارا نشان
 یوں دیکھتے رہے تھے تری رہ گزر کو ہم
 ٹکڑے دلوں کے جوڑ دے وہ شیشہ گر نہیں
 سورنگ بدل کے دیکھے ہیں تیری نظر کو ہم
 وہ غم لاکھ شوق کی دنیا ہی لٹ گئی
 پھر ڈھونڈتے ہیں لذتِ دردِ جگر کو ہم
 ان کی دفا سے ان کا تصور ہے باوقا
 جب چاہے دیکھ لیتے ہیں آئینہ گر کو ہم
 تحسین چھوڑ بے کسی کا رواں کی بات
 دیکھے ہیں کچھ قریب سے بھی راہبر کو ہم



کس قدر آنسو بہاؤے ہیں تبسم کے لئے
 کتنے ترشے ہیں صنم حسنِ مجسم کے لئے
 ہم نے سوچا ہی نہیں ہے کس نے ہم کو کیا دیا
 سرخوشی بھی چھوڑ دی ہے ربطِ باہم کے لئے
 عمر بھر مرتے رہے ہیں زندگی کی چاہ میں
 اک خلوصِ دل کی غفلتِ جذبِ یدم کے لئے
 آس کی ہر سانس کوئی سے تمہارے نام پر
 کیا کیا آئے نہیں تم پرستشِ غم کے لئے
 گاہ ہم نے اپنی پلکوں میں چھپایا ہے تجھے
 گاہ بوسے ہم نے تیری زلفِ برہم کے لئے
 بے قراری جب بڑھی تخیل میں آئے ہیں آپ
 یوں محبت میں مزے بھی درد کم کم کے لئے
 شدتِ احساس سے جلتی ان آنکھوں کے لئے
 چند قطرے برگ گل سے ہم نے شبنم کے لئے



جنوں کی رہنمائی بھی نشانِ کارواں کیوں ہو
 بگولہ اٹھ چکا ہے جو وہ منزلِ کاشاں کیوں ہو

نہیں جو واقفِ اسرارِ اپنا رازداں کیوں ہو
 جھکے دل ہی نہ جس جا پھر وہ تیرا آتاں کیوں ہو

تعلق کیلے واغظ کو کسی کی غیب جوئی سے
 بیاں جو اس نے تم سے کی وہ میری داتاں کیوں ہو

ہماری آنکھ میں پنہاں ہزاروں داستاں ہیں
 کسی کے دم سے وابستہ ہماری داستاں کیوں ہو

ذرا سی بات میں ایشار کا جذبہ نہیں ہے جب
 تمہاری مہربانی کیوں تم ہم پر مہرباں کیوں ہو

ہیں محسوس کو احترامِ دل نہیں کہتے
 ہماری صاف گوئی پر وہ ظالم بدگماں کیوں ہو



پھولوں کی انجمن سے گریزاں ہیں خار کیوں
 دامن کشاں چلی ہے نسیم بہار کیوں
 کس نے خبر دی میرے لشیمن کی خیر ہو
 ہے بجلیوں کی چشمک اب بہار کیوں
 اے دوست مجھ کو وحشت کھرا نہیں عزیز
 یہ بھی نہ پوچھ خدا گلے کا ہیں ہار کیوں
 تم ساتھ ہو تو میری بہاریں ہیں میرے ساتھ
 فصل بہار کا ہو مجھے انتظار کیوں
 کچھ زہریلا پلاؤ کہ امرت نہیں عزیز
 پھیلا ہوا ہے دامن لیل و نہار کیوں
 ساقی ترے تغافل بے جا کا واسطہ
 آنچل رخ حیات کا ہے تار تار کیوں
 کس نے وفا کے نام کو رسوا کیا ہے آج
 جلوے تمہارے ہو گئے ہیں شرمسار کیوں
 کیا کیا نہ نسبتیں ہیں غم بے پناہ سے
 ہم رہ گذر پہ بیٹھے ہیں امید وار کیوں



جادہ شوق رہ فکر و نظر سے گذرے
 ہم بھی تھے ساتھ وہاں آپ جدھر سے گذرے
 راس آریا نہ ہی زنداں نہ بشین ہی ملا
 راہ میں ایسی بھی ہم راہ گذر سے گذرے
 نہ ڈرا مجھ کو اے افردہ خیالوں کے هجوم
 کیسے کیسے مرے منگام نظر سے گذرے
 دل کی موجوں میں طلاطم میں کنارہ نہ ملا
 بسہی ارمان مرے دیدہ تو سے گذرے
 اک طرف موج بلا دوسری جانب منزل
 کیا خبر کچھ کو کہ دیوانے کدھر سے گذرے
 اک نئی راہ کی تشکیل ہوئی ہے ہر وقت
 درد مند جب بھی دل خاکِ لبر سے گذرے
 دل ہی پھرا نہ رکاوٹ کبھی نظمِ عالم
 حاشہ کتنے یہاں قلب و نظر سے گذرے



صبح انگڑائی بھی لینے نہیں پائی تھی ابھی
 حادثے پھیل گئے سایہ مٹرگاں کی طرح
 اسے موضوع سخن کی طرح ڈھونڈا ہم نے
 وہ جو چھپتا رہا افسانے کے عنوان کی طرح
 دم تو گھٹ جائے مگر آگ نہ لگنے پائے
 شمع جلتی رہی اک شمع سوزاں کی طرح
 جذبہ مستی ارباب وفا سے ناصح
 روشنی ہے مری محفل میں چراغاں کی طرح
 دوستی میں نہ ہو کم ظرف کوئی اتنا بھی
 بات الجھتی ہے یہاں کا کل پہچاں کی طرح
 مدعا ئے دل بیمار ہے اب بھی تھیں
 رہیں زنداں میں مگر فخر گستاخ کی طرح



طاق میں رکھی ہے جیسے شمع سوزاں دیکھئے
میری پلکوں پر نمایاں اشک لرزاں دیکھئے

لطف پر مائل ہے پھر چشم گریزاں دیکھئے

دیکھئے بے درد دل کی طبعِ جولاں دیکھئے

زخمِ دل کو دیکھئے رنگِ گلستاں دیکھئے

ان کا دامن دیکھئے اپنا گریباں دیکھئے

پھر گرفتارِ خرد ہے عشقِ ناداں دیکھئے

وسعتِ قلب و زطر کا چاکِ دامان دیکھئے

لالہ و گل کی حقیقت اک فسانہ ہی سہی

سینہ لالہ میں اب بھی داغِ پنہاں دیکھئے

کتنے ارمانوں کا مدفن ہے دلِ شوریدہ ہر

دل کے ویرانے میں اک شہرِ خموشاں دیکھئے

زلفِ لیلکے شبِ دیکو رسمی ہے کہیں

آشکارا ہے شفق سے صبحِ خداں دیکھئے

ان کو کیا پروا کہ بزمِ غیر میں ہیں آشنا

ساز کے مدھم مڑوں پر ہیں غزلِ خواں دیکھئے



یہ نظارے روح پرور یہ فضایں جانِ نغمہ
وہ جو ساتھ ساتھ ہوتے تو کچھ اور بات ہوتی

نہ یہ شب کی دشتیں تھیں نہ یہ دل کے فاصلے تھے
مری انجمن وہ ہوتے تو کچھ اور بات ہوتی

کہو درد مند یوں سے کہ وہ اب نہ دل دکھائیں
وہ جو اشکِ غم پر دتے تو کچھ اور بات ہوتی

یہ تمام موزِ ہستی یہ تمام کیف و مستی
یہ سفینہ وہ دُلاتے تو کچھ اور بات ہوتی

یہ سوالِ عجز تھا بہ فصولِ جور پیہم
میری زندگی وہ ہوتے تو کچھ اور بات ہوتی

کہیں میکہ ہے ہستی کہیں تشنہ کامیاں ہیں
کبھی منہں کے ہم بھی روتے تو کچھ اور بات ہوتی

نہ ہو رنجشیں ہماری نہ وہ حسرتیں ہماری
غمِ دل میں وہ سموتے تو کچھ اور بات ہوتی

کبھی جشِ مئے پرستی کبھی چشمِ خود پرستی
وہ مزاجِ داں جو ہوتے تو کچھ اور بات ہوتی

نہ یہ گردشیں رکی ہیں نہ رکاوٹ ہے یہ زمانہ
اتھیں پا کے ہم جو کھوتے تو کچھ اور بات ہوتی



یہ رہبر صرف حد کارواں تک ساتھ دیتے ہیں
 یہ کب محفل میں حسن امتحان تک ساتھ دیتے ہیں
 کئی مسجدے تڑپتے ہیں جمالِ حسن سینا میں
 کہاں سجدے بہ سنگِ آستان تک ساتھ دیتے ہیں
 جہاں محل کو دیکھا محفلِ لیلیٰ سمجھتے ہیں
 وہیں منزل سمجھتے ہیں جہاں تک ساتھ دیتے ہیں
 مجھے معلوم ہے طرفِ تمنا اک بڑی شے ہے
 ہر بانِ جنوں میرا کہاں تک ساتھ دیتے ہیں
 زمینوں پر نہیں بنتے ضائعے ماہ تاباں یہہ
 یہ خود ہیں کب ہمارا کہکشاں تک ساتھ دیتے ہیں
 گلوں کو ہم نے ٹھکرایا نہ پا کر بوئے گلِ آن میں
 یہ خار و خس ہمارے اب کہاں تک ساتھ دیتے ہیں

ہے دسترس اتنی کہ شرح غم بیان کروں
 و لطف غرض داستان تک ساتھ دیتے ہیں
 کچھ اس طرح سجاوے ہیں سہ ستر گاں کہ اشکوں کو
 ہیں شمع انجمن بزم جہاں تک ساتھ دیتے ہیں
 زندگی تحسین کچھ ایسے تم نے پائے ہیں
 ان سے واعظ کے بیان تک ساتھ دیتے ہیں



یہی شہکار بن جاتے ہیں قدرت کے سوالوں کا
 نظر ایکبار لگی اٹھی جو سوئے آسماں میری

ہماری پاک دامانی نہ پوچھ اے ناصح ناداں
 کہیں مایوس ہو جائے نہ سن کر داستان میری

زمانہ ہی نہیں ارض و سما بھی ساتھ دیتے ہیں
 تمنا بن کے آتی ہے لبوں پر جب دعا میری



صرف باتوں باتوں میں بات ہی نہیں بنتی
ذوقِ خود فراموشی تیرا ہے نہ میرا ہے

ساتھ چھوڑ بیٹھے ہیں بیکسی و ہنگامے
سایہِ غم ہستی کس قدر گھنیرا ہے

کچھ بہکتے طوفان میں سر ٹپکتے ویرانے
زندگی کی راہوں میں موت کا لیرا ہے

آج ہر قدم پہ سے زندگی کی بربادی
روشنی کی کرنوں کو ظلمتوں نے گھیرا ہے

وہ تصورِ فردا اک حسین تغافل تھا
آنکھ مل کے دیکھا ہے ہر طرف اندھیرا ہے

وہ شفق کی لالی میں قافلے ابھرائے
رنگ ہائے مستقبل کس قدر سنہرا ہے

کیا گلہ کریں تحسینِ اپنی اپنی قسمت ہے
میری ظلمتِ شب ہے سب کا سویرا ہے



کتنے ادا اس ہو کے رہے انجمن میں ہم
آئے ہیں چار دن کے لئے اس جمن میں ہم

مثل خراج ہر وہ متنہ انشا رکی
جس طرح سر بلند تھے سرومن میں ہم

کتنی کٹھن تھیں جنے کی شریں جہاں میں
خوشبو کی طرح پھیل گئے انجمن میں ہم

وہ غم کی آغ شہزنگاراں ہی جل اٹھا
کانٹوں کو بھی سجایا گل پیر میں ہم

مت پوچھ ہم سے نقد دل و جاں لئے ہوئے
کس طرح بچ کے آئے تری انجمن میں ہم

کچھ قافلے بہار کے جیسے رواں دواں
دیکھا کئے ہیں صبح کی پہلی کرن میں ہم

روشن قسموں کے درتھے سے وہ صبا
لو کہہ گئی کہ ایک ہیں بزم سخن میں ہم

تختین صبح نو کا ہم ہی بانگین رہے
اک اپنی ذات ہی سے سہی انجمن میں ہم



کسی کا بھی جب بھولیں یاد آیا
 وہیں قصہ کو بہن یاد آیا
 خزاؤں کے جو رستم سہتے سہتے
 بہاروں کا نازک چلن یاد آیا
 رکے چلتے چلتے جو منزل سے آگے
 وہ منگام صبح چمن یاد آیا
 مرے ماہ و انجم جو چمکے زمین پر
 فلک پر مہ سیم تن یاد آیا
 کیا زندگی نے کسی سے کٹا رہ
 کسی کا وہ بیگانہ بن یاد آیا
 فریب تمنا جو کھاتے رہے ہم
 صداقت کا دیوانہ بن یاد آیا
 کسی نے پکارا اے تحسین کسی کو یا
 گلوں میں وہ گلی بیرہن یاد آیا



جھوم کر رنگیں فضا میں رنگ برسانے لگیں
ہوش بے خود ہو گیا اور مستیاں چھانے لگیں

عشق نے چھڑا فسانہ وقت کی مضراب پر
وحشتیں صحرا بیداں ہم کو تڑپانے لگیں

ہو گئیں نادم گھٹائیں جانداروں کے قریں
جب کسی کے رخ پہ زلفیں آکے لہرانے لگیں

نرگس ہمارے بھی اپنی آنکھیں موندھ لیں
میری آنکھیں ان کی آنکھوں سے جو نہ ملنے لگیں

ہو گیا میرے شورِ غم میں میرا ارتعاش
وہ نگاہیں جب بھی مل کر کیف برسانے لگیں

عزم پر غالب ہوئی ہیں حوصلہ کی پستیاں
کیوں بساطِ آرزو پر مات بچھ رکھانے لگیں

خود فضا میں بن گئیں وجہ بہار گلستاں
زندگی کے رخ سے پردہ آپہرکانے لگیں

جھوم کر نکرائی ہم نے جب صراحی جام سے
میکدے کی مت راتیں رقص فرمانے لگیں

دہ ترانے دہ فسانے وہ طاقتیں حسین
حاصلِ غم بن کے تحسین یاد پھر آنے لگیں



عید کچھ اس نئے انداز سے آئی اب کے
ساتھ لے آئی ہے دامن کو گول سے بھر کے

صبح کے رخ پہ یوں بھیل ہے شفق کا غار
جیسے آنچل کے کنارے ہوں گلابی ہلکے

یوں چھلک نہیں مہرت سے زگاہیں میری
جیسے ساغر سے مے نہاب کی مستی چھلکے

اس طرح چھٹ گئے دل سے مرے غم کے اادل
جیسے مہر سے کسی معشوق کا آنچل ڈھلکے

زندگی آج بھی اک خواب ہے دیوانے کا
کتنے ارمان سسکتے ہیں دلوں میں کھل کے



تہنجا بادۂ منزل سے آگے	نشان دل یہ ہے کہ دل نہیں ہے
فردغ شوق کا حاصل نہیں ہے	"چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے"
بڑھے کچھ اور کہد ونا خدا سے	یہ موجِ محب ہے ساحل نہیں ہے
زوال دیدنی ہے شب کا منظر	یہ ماہِ نیم شبِ کامل نہیں ہے
یہ ہیں انگوڑیاں موجِ شفق کی	یہ محفلِ یہ تری محفل نہیں ہے



زلف گیتی کے سلجھنے کی کوئی بات سہی
بات آئے تو کوئی بات کروں یا نہ کروں

مجھ سے وہ پوچھتے ہیں میرے تفکر کا سبب
ان سے اظہار خیالات کروں یا نہ کروں

دل پہ قابو بھی نہیں جبرگوارہ بھی نہیں
خود کو وابستہ حالات کروں یا نہ کروں

جس سے آجائے وفا پر کوئی الزام نیا
ان سے میں ایسے سوالات کروں یا نہ کروں

ان دھندلکوں کو ابھی رات کہوں یا نہ کہوں
تکوہ گردش آفات کروں یا نہ کروں

کشمکش ہے مرے معصوم سے اربابوں میں
وہ جو آجائے مدارات کروں یا نہ کروں

لب پہ آتی نہیں ترسیدہ حکایت حسین
آنکھ آئینہ جذبات کروں یا نہ کروں



کچھ ایسی چھاگئیں دھندلاہٹیں غمِ دل کی
ہم اپنے آئینہ دل میں ان کو لانے کے

فریبِ غم میں جیسے اور فریبِ غم میں
وہ لوگ جو کہ مقدر کو اس آنے کے

فلک کی بات نہ کہ ہم ہیں خستہ حال چمن
کہ فرشِ خاک پہ بھی آسیاں بنانے کے

ترے خیال کی محویتیں ارے تو بہ
ترے بغیر کبھی کھل کے مکرانے کے

تمہارے ساتھ تھے محفل میں ہم بھی جامِ بدست
اٹھائے جامِ لبوں کو مگر لگانے کے

غمِ حیات نے وہ غم دے کہ اے تحسین
خوشی کے نام پہ دوا شکِ مہملانے کے



چاندنی رات ہے تاروں کا جہاں ہے اے دوست
زندگی ساحل دریا پہ رواں ہے اے دوست

اشک شوی کے لئے اب بھی ہیں دامن لڑاں
زندگی آج بھی اک خواب گراں ہے اے دوست

ترے اشعار کا اخلاص میں ڈوبا ہوا رنگ
نغمہ جان کہیں جان جہاں ہے اے دوست

اب بھی مایوس ہیں والبتہ تقدیر ہیں دل
اب بھی اٹھتا ہوا سینے سے دھواں ہے اے دوست

دل کشی سی جو نظر آتی ہے افانے میں
 ذکر کیا میرا ترا طر زبیاں ہے اے دوست

کتنے بے رنگ سے خاکوں میں ہو مہر قی ہوں
 دل کی دھڑکن سے مرارشتہ جواں ہے اے دوست

دل کے داغوں ہی سے تنزینِ گلستاں کی ہے
 قابلِ دید بہاروں کا سماں ہے اے دوست

جبر کیا چیز ہے بے داد کی قیمت کیا ہے
 ذہن آزاد ہے احساسِ جواں ہے اے دوست

دشت تو دشت تھا گلشن میں بھی دشت سی ہے
 کارواں کوئی منزل میں رواں ہے اے دوست

یہ نیا سال ہے بھری ہوئی فکروں کا امین
 یہ سرمایہ یہی گنج گراں ہے اے دوست



وقت کی ٹھٹھری ہوئی نبض رواں ہو جائے
تیری از مہیلا میں وہ رطل گراں ہے لے دوست

رات گزری ہے مگر رات کے سائے ہیں وہی
ہر قدم آج بھی بے نام و نشان ہے لے دوست

وقت کے جلتے ہوئے زخیم کامرہم بن جا
تیری جانب یہ زمانہ نگراں ہے لے دوست

ان چمکتے ہوئے جنت سے خیالوں میں
زندگی سوز دروں شعلہ فشاں ہے لے دوست

تم نے پوچھا نہیں کس حال گزرتی ہو گی
تم نے پوچھا نہیں کیا رنگ نہال ہے لے دوست

دیب پلکوں پہ جلاتی ہوں سحر کی خاطر
میری آنکھوں سے کہاں کیل رواں ہے لے دوست



دل بجھ بھی گیا جی چھوٹ گیا ہریات بنی ہے افسانہ
 خوشیوں کی تمنا کیا سمجھے کیا غم کا فسانہ دہرائیں
 بدلے ہیں بہت کچھ آپ مگر یہ آپ کا کوئی دوش نہیں
 کیوں آپ ہیں بدلے بدلے سے ہریات کہاں تک تیرا میں
 جو نام وفا پر مٹ بھی گئے آدابِ وفا سے واقف ہیں
 ان اہل وفا کو حیرت ہے آدابِ وفا وہ سکھلا میں
 تم مست سہی مخمور سہی یہ دن میں تمہارے دن بھی سہی
 ہم بھی تو یقین ہیں وہم نہیں یہ بات کہاں تک سمجھائیں
 تحسین غم دل کیا کہے اپنوں کی شکایت کیا سمجھے
 حالات کا شکوہ کس سے کریں کیا زخم جگر ہم دکھلائیں

در شاعر

عید کا بارِ گراں کون اٹھائے اے دوست
 فرض جو فرض ہو اکون بنھائے اے دوست
 عید آئی تو ہے پیغامِ تمنا لے کر
 کون ردتی ہوئی آنکھوں کو نہائے اے دوست



کہنے کو یوں تو آپ کی مجھ پر نظر ہوئی
محروم انبساط مری چشم تر ہوئی

کہتے ہیں کائنات ادھر سے ادھر ہوئی
کس کو خبر کے شام ہوئی یا سحر ہوئی

طفاں بدوش ہو گئی جب موج تند و تیز
ساحل شناس جیسے ہماری نظر ہوئی

ان کے کرم کے نام پہ مہم کے جی اٹھے
پوچھے نہ کوئی ہم سے کہ کیسے لبر ہوئی

اے دوست شب گزر گئی بچھلا پہر نہ پوچھ

کتنی دراز ہم پہ شب مختصر ہوئی

گہہ دشت سے گزر گئے گہہ بوتال سے ہم
ہر دو نفس میں یاد تری چپا وہ گر ہوئی



اس طور اپنی زندگی مختصر رہی
 فطاعی حیات میں ہے کون جیلوہ گر
 ساقی ترے کرم سے شکایت نہیں مجھ
 ساقی رہے یہ شام رہے میکدہ رہے
 اک گونہ بے خودی بھی مجھے چاہئے مگر
 سخی کرم کے بعد بھی تسکین دل نہیں
 نذر خودی کبھی تو کبھی بے خودی رہی
 کتنے ہی اٹھ گئے یہ یہ محفل سخی رہی
 تو نے بساط بھر دی مجھے تشنگی رہی
 اپنی ہے زندگی نہ رہی یہ رہی رہی
 بس اس قدر کہ جتنی مجھے آگہی رہی
 شاید ہمارے جذبہ دل میں کمی رہی



شکوہ ناز ہی رہا تم کو
 غلش دل کی کوئی بات نہ تھی
 کاش اتنا تو کہہ سکوں تم سے
 کیا گلہ ہم کریں زمانے کا
 خیر محمود کی عنایت تھی
 اور ہم کو نیاز نے مارا
 ایک دل کے گداز نے مارا
 ہائے کس بے نیاز نے مارا
 محرم سوز دساز نے مارا
 انکسار ایا ز نے مارا
 کب حقیقت کا ہوش ہے صبح
 ہم کو رنگ مجاز نے مارا



اُداس میں ہوں مگر یہ جہاں اُداس نہیں
کسی بھی دید کی میری نظر کو پیاس نہیں

ہر ایک مل کے گھڑی دو گھڑی پچھڑ بھی گیا
بہت تھی آس مگر اب کوئی بھی آس نہیں

گداز غم بھی بہت کچھ گداز دل کے لئے
وہ لذت غم دل یہ بھی مجھ کو اس نہیں

حیات چمکتی روتی ہے سڑکتی ہے
وہ زندگی بھی کہوں غم کی میں اس نہیں

بہار وہ ہوں بہاروں میں لٹ گئی اکثر
وہ برگ و بار ہوں جن کا کوئی لباس نہیں



اشک لہزاں زر فانوس کے مہم ہونگے
داغ دل جب یہہ مرے صورت مریم ہونگے

عشق ناکام رہے حسن کے جلوے خالوش
جب بھی دنیا کے محبت پہ ستم کم ہونگے

کتنے ساحل پہ تمنا کے سفینے ڈوے
کتنے گرداب میں یہہ سلسلے پیہم ہونگے

چند گام اور ابھی جان خمیں ساتھ تو چل
کل تو جو نقش قدم ہونگے وہ مبہم ہونگے

ہم جولاں جائیں تو رک جائے گی بنفست
چل پڑیں ہم تو یہاں کتنے تلاطم ہونگے

کل بھی کیوں آج ہی چل نکلے منزل کے لئے
کون جانے یہہ فضا ہوگی کہ ہم تم ہونگے

زندگی ایک حجاب رخ دریا ہی سہی
پھر بھی ساحل پہ تلاطم تو بہت کم ہونگے

ہم نے ہر تان کو کچھ سوچ کے کل پر توڑا
ایسے نادان بھی دنیا میں بہت کم ہونگے



ڈالی گئی ہے طبع نازک پہ یوں نقاب

حاضر میں پھر بھی جیسے کہ غائب کہیں ہیں ہم

ڈرتے نہیں چین میں خزاؤں کے جور سے

ہم ہیں بہارِ موسم گل کے امیں ہیں ہم

اب دم بخود ہیں اتنے کے آتا نہیں خیال

کیا ہیں تمہاری بزم میں اور کیا نہیں ہیں ہم

نما کام ہر امنگ ہے روندی ہوئی بہار

ساحل سے دور دور بھنور سے قریب ہیں ہم

یہ تفرقہ تو دیکھئے لیل و نہار کا

کل آسمان تھے آج تو گویا زمیں ہیں ہم

ہم نقش وہ نہیں ہیں جو چاہیں سناں

اس سرزمین پہ وہم نہیں ہیں یقین ہیں ہم

کس کو نہیں ہے شان و شوکت کا اعتراف

تحسین اس زمین پہ عرشِ بریں ہیں ہم



وہی بکلیوں کی چٹمک وہی تیرا آشیانہ
کہ ادھورا رہ نہ جائے غم زلیست کا فسانہ

وہی میری درد مندی وہی تیری بے نیازی
نہ یہ رسم و راہ بدلیں جو بدل گیا زمانہ

نہ وہ شام کا ترانہ نہ وہ لطف صبح گاہی
وہی راہ رہ نوروی وہی زلیست کا فسانہ

مراد از لفظ کن میں تری ذات ہے ابد تک
تری زندگی حقیقت مری زندگی فسانہ

ترا حکم ضبط غم ہے مجھے شکوہ تباہی
تری بات ہے مکمل مرا فعل احمقانہ

ہے ازل سے تو ابد تک نہ سمجھ سکے گا کوئی
ترا حسن غائبانہ مرا عشق غائبانہ



جب بھول پہ شبِ نم ہوتی ہے یہہ آنکھ بھی پُرنم ہوتی ہے
 کلیوں کو سنا ہے وہ صبا یاں یاد ہی ہم دم ہوتی ہے
 گہہ درد بھی کم کم ہوتا ہے گہہ چوٹ بھی پیہم ہوتی ہے
 ہر جلوہ میں تیری نکہت ہے اور میری جبین خم ہوتی ہے
 وہ شِرخِ نظر کچھ بھی نہ سہی وہ زلیت کا عالم ہوتی ہے
 جب نام ترا لے لیتی ہوں
 یہہ زلیت مجھم ہوتی ہے

تین شعر

غریب دل کو خود اپنے پہ اختیار نہیں
 ستم روا ہے مگر یہ ستم شعار نہیں
 کسی کی گردِ کدورتِ نظر میں کیوں آئے
 خود اپنے آئینہ دل میں جب غبار نہیں
 تمہاری بزم میں امیدوار کب سے ہیں
 یہہ کہہ بھی دو کہ مجھے تم سے کوئی پیار نہیں



کیوں چہیب ساٹا مجھ کو یوں ڈراتا ہے
 کتنی دل شکستہ ہوں کیا یہ راز ہستی ہے
 اک بھری سی محفل میں کس قدر اکیلی ہوں
 بے کسی کی صورت ہوں زندگی ترستی ہے
 ادھ کھلی سی آنکھوں میں خواب کچھ ادھور سے
 زندگی کی پائل میں گیت ہے نہ مستی ہے
 گرم گرم آنسو ہیں سرد سرد آہیں ہیں
 کیا یہی محبت ہے پیار کی بیہ بستی ہے
 یہ خدا نہیں میرا وہ صنم نہیں میرا
 کیا منار عشق ہے کیا وہ بیت پرستی ہے
 میر کارواں ہو تم میں غبار منزل ہوں
 کیسی یہ بلندی ہے اوج ہے نہ پستی ہے
 ان حسین راہوں میں قافلے بھٹکتے ہیں
 زندگی گراں مایہ موت کتنی سستی ہے



دل مرا گلشن تھا صحرا کر دیا
ہمے کس ظالم نے ویراں کر دیا

زندگی بہکا ہوا سا خواب ہے

تو نے یہ کیا ناہمرباں کر دیا

سوزِ دل کی یوں خلش بڑھتی رہی
زخم کو خارِ مغیلاں کر دیا

وسعتِ ارض و سماں بھی تنگ ہے

زندگی کو تنگ داماں کر دیا

تیرا کراخلاص کی ساری حدیں
رنج و غم میرا نگہباں کر دیا

روشنی بھی دن کی راس آتی نہیں

شام کو شامِ غریباں کر دیا

خالی خالی سامِ اداستِ سوال

دیدہ محیراں کو حیراں کر دیا

ناامیدی کی کبھی عادت نہ تھی

مالوسی کو حزدِ امیلاں کر دیا

سب عدو اپنے ہی اپنے ہو گئے
زلفِ مہتی کو پریشاں کر دیا

زندگی کو مجھ سے نا پسند اکنار
دل کو اک شہرِ خموشاں کر دیا

عقل کو دیوانگی را اس آ گئی
حسرتوں کو حشر سا ماں کر دیا

وحشتوں کو نیند سی آنے لگی
درد کو تم نے رگِ جاں کر دیا۔



طفاں نے نئے نئے ہیں کنارے نئے نئے
ملتے ہیں زندگی کو سہاگے نئے نئے

ساتی شراب شوق یہہ مستی یہہ میکہ
کرتا ہے چھپ کے کوئی اشارے نئے نئے

کچھ دور اور گردشِ تقدیر سے نکل
جی چاہتا ہے اور نظارے نئے نئے

وہ دور ٹٹاتے تاروں کا ختم ہے

آکاشِ نو یہ کچھ ہیں تارے نئے نئے

اے دوست جل رہا ہے کہیں شہرِ آرزو
کچھ یوں سلگ اٹھے ہیں شرارے نئے



تک تک کے سحر کی راہوں کو شب بھر کے تارے ڈوب گئے
پو پھٹنے سے پہلے کتنے ہی دل درد کے مارے ڈوب گئے

دم بھر کو لگی تھی آنکھ ذرا جب صبح ہوئی یہ عالم تھا
کچھ قافلے والے اہل جنوں منزل کے کنارے ڈوب گئے

مدہوشی رنداں مت پوچھو ساغر و صراحی توڑ دیا
مدہوش تھے جو وہ جاگ گئے اور ہوش کے مارے ڈوب گئے

لے ڈوبی ہیں غم کی برساتیں احساس خوشی و غم دونوں
اشکوں کا تلاطم باقی ہے آہوں کے تارے ڈوب گئے

دریا میں سفینہ کھنسنے نکلے کچھ اہل ہنر کچھ اہل حسرت
یہ سب کے سب ہی تیر گئے وہ سارے کے سارے ڈوب گئے



اب دست دعا ہے نہ ہی تاثیر دعا ہے
 ٹوٹی ہوئی امید میں اب رکھا بھی کیا ہے
 سہا ہوا جھجکا ہوا اکھو یا ہوا عالم
 کیا سمجھوں محبت کی فتنے کہ بقاء ہے
 ٹوٹے نہ کہیں سلسلہ تار نظر اس
 لگتا ہے اے ظالم تری آنکھوں میں شفا ہے
 سنتے ہیں کہ وہ جذبِ محبت نہیں باقی
 کس جنس کا دنیا میں ابھی نام و فسا ہے
 جلتی ہوئی گلیوں میں بھٹکتے ہوئے راہی
 منزل کا نشان ہے نہ ہی نقشِ کف پا ہے
 قیمت کا گلہ ہے نہ ہی حالات کا ماتم
 جو قصہ غم ہے وہ ستاروں سے سننا ہے
 کیا جانئے کس منزلِ امید میں گم ہوں
 کم کم سی مرے دل کے دھڑکنے کی صدا ہے
 تحسینِ عقیدت کی ہے یہ راہِ منائی
 دنیا میں نہیں جس کا کوئی اس کا خدا ہے



ہر لحظہ منقلب ہیں زمانے کی کروٹیں
پر مجھ کو تیری آرزو آنکھوں کو پیالہ ہے

شعلہ نہیں سیاہ نہیں بحر و برہ نہیں
طوفاں بدوش دل میرا ساحل تناسل ہے

وحشت نہیں جنوں نہیں سودا نہیں مجھے
پھر بھی نہ جانے دل یہ مرا کیوں آدا ہے

ساقی تری غنایت پیہم کا شکریہ
اک موج مضطرب کو سراہوں کہاں ہے

بھٹکا ہوا ہے گوجر اسیدوں کا کارواں
ہر اک قدم پہ اک نئی منزل کی آس ہے

جل جل کے خاک ہو گئے پر وائے خسرو
دیوانگی بھی دیکھئے کب مجھ کو راہ ہے

سارے اُجالے جیسے دھند لکوں میں کھو گئے
”اک شمع جل رہی ہے سو وہ بھی ادا ہے“



فریبِ گردشِ شام و سحر کی بات نہ کر
غمِ حیات سے پہلے سحر کی بات نہ کر

قتیل جو رہوں لطف و کرم کی بات نہ کر
مرے ندیم مرے ہمسفر کی بات نہ کر

میں رو رہی ہوں زمانے کی آنکھ سے بچ کر
گدازِ لذتِ سوزِ جگر کی بات نہ کر

ملا ملا اس کے آستانے سے
دعا کو ہاتھ اٹھے ہیں اثر کی بات نہ کر

ہر ایک گام پہ سمجھیں کہ زندگی کیا ہے
جو پیچھے رہ گئی اس رہگذار کی بات نہ کر

یہ قدرِ ذوق نگاہوں کو کب ملے جلوے
جہاں میں تو کسی اہل نظر کی بات نہ کر



وہ مہرے نزدیک آکر رہ گئے
اشک آنکھوں میں تھے حرفِ برعا
زندگی جب ہو گئی تفسیرِ خواب
کس نے کی ہے آج غمخواری مری
چھپ رہے ہیں وہ سہانی یاد میں
وہ تمنّا کا بھرم کہ وقت پر
مٹ گئے جب ہم خوشی کے نام پر
زندگی تھی جیت دن کی زندگی
دو فریب آرزو میں کٹ گئے

سارے غم پھر مسکرا کر رہ گئے
ان کے دامن میں چھپا کر رہ گئے
ان سے ہم دامن بچا کر رہ گئے
داغِ دل پھر مسکرا کر رہ گئے
اور ہم کہ ان کو پا کر رہ گئے
دل کی دھڑکن آتما کر رہ گئے
غم کو سینے سے لگا کر رہ گئے
چند قدم آگے بڑھا کر رہ گئے
دو فریبِ زلیّت کھا کر رہ گئے



بجھ رہی ہے جیسے شمعِ انجمن
رنج و غم کی جلوہ گاہِ ناز میں
ایک مسافرِ زلیّت کا بارا ہوا
ایک اک آئو حوادثِ کائنات
دلِ نوازی دہری کچھ بھی نہیں
کوئی آنچل کوئی دامن کچھ نہیں
آتی جاتی چھاؤں ہے اک زندگی

ٹوٹ جائے گی مکند
جیسے مردہ زندگی اور طعنے کفن
خالی خالی سی نگاہوں میں تھکن
چھین چکے زندگی کا بالکلین
زندگانی جیسے اک اجڑی دہن
دھوپِ غم کی ہے کڑی سایہ نگن
اک خلش ہے دردِ غم کی اک چھین



آہ ہو جائے اثر ایسی دعا کو نسی ہے
 ”قوم کو جس سے شفا ہو وہ دعا کو نسی ہے“
 کاش بتلاؤ تو خجی لیں یہ گرفتار و فدا
 منزل حد نظر صبر و رضا کو نسی ہے
 دست گلچیں نے مٹا ڈالے دشمن لاکھوں
 ہم یہی کہتے رہے تیری ادا کو نسی ہے
 اک نئے رنگ میں، وحشی ترے اٹے ہیں اسیر
 کاش پوچھو کہ گلستاں کی ہوا کو نسی ہے
 دل وہ تھامے ہوئے آتے ہیں ہماری جانب
 خیر ہو ان کے ترپنے کی ادا کو نسی ہے

دھشت

اے وحشت دل چھوٹ نہ جائے ترا دامن
 بے تاب زگا ہوں کا اثر دیکھ رہی ہوں
 ساقی کی نظر لمبے کے مجھے ڈوب رہی ہے
 اک خواب کا عالم ہے جدھر دیکھ رہی ہوں



ان سے کہنا غمی ہیں قلب و نظر
 زندگی کا ثبوت ملتا ہے
 زندگی موت بھی ہے نعمت بھی
 ان سے کہو کہ موزن لیں آنکھیں
 ابتدا ہے نہ انتہا معلوم
 میری بربادیوں پہ وہ خوش ہیں
 موج اس کی سفینہ اس کلبے
 میری آنکھوں میں میکدے نہ سہی
 ہم تو کانٹوں پہ جان دیتے ہیں
 آپ اقبال جرم کیوں کر لیں
 ہم تو دامن جھٹک کے اٹھتے ہیں

اے صبا تو اگر ادھر جاے
 گردش وقت کیوں ٹھہر جاے
 تو جدھر جاے یہ ادھر جاے
 میری حالت پہ جب نظر جاے
 دل کے ہاتھوں کوئی نہ مر جاے
 آرزو میری بے اثر جاے
 منزلوں سے بھی جو گذر جاے
 ابرو باراں ہی کام کر جاے
 دامن ان کا گلوں سے بھر جاے
 یہ ملاحسن ہی کے سر جاے
 بے خودی کا دم خود ہی کر جاے

زلف ہستی بکھرنے دو تختیں

زلف گیتی اگر سنوار جاے



جو جان سے پیارا تھا ہم کو ہم وہ غم جاناں بھول گئے۔
 جو درد شریک خار رہا اس درد کا درماں بھول گئے
 وہ شوخ ادائیں بھول گئے وہ چشم غزالاں بھول گئے
 اک زلیست کا عنوان یاد رہا اور سینکڑوں عنوان بھول گئے
 چھٹ کر بھی اسیر زنداں کو احساس نہیں ہے گلشن کا
 خوگر یہ ہوئے ہیں زانداں کے یا سیر گلتاں بھول گئے
 کل تک جو جہن میں ہم ہی تھے گلچیں کی شکایت کرتے تھے
 جینے کا قرینہ ہم ہی اب اے ساتیؔ دوراں بھول گئے
 وہ شب کی سیاہی چھٹ تو گئی قسمت کی سیاہی باقی ہے
 آغاز بہاراں یاد رہا انجام بہاراں بھول گئے

ایک شعر

آج باؤ تم بھی پاس کہ ہے میکدے کی شام
 یوں ساغرِ حیات اکیلے پیانہ جاے



ان اندھیروں کی راست ہے سحر ہونے تک
 زندگی موت سہی رشک قمر ہونے تک
 آبلہ پا میں غم دل کی کٹیلی را ہیں
 را میں ڈستی ہیں تری را ہلڈر ہونے تک
 جانے کیا رنگ ہو اس دشت کے گھر ہونے تک
 اک تمنا کو جواں بارِ دگر ہونے تک
 وہ نہ آئیں تو سوالِ غم فردا بھی نہیں
 جلوے پابند ہیں پابندِ نظر ہونے تک
 کوئی آیا بھی تھا شاید کہ مری محفل میں
 اٹھ گیا بزم سے تسکینِ نظر ہونے تک
 زندگی اس بھی آئے گی کبھی اے حسین
 مرحلے کم سہی انساں کے بشر ہونے تک



تیری خوشیوں کے لئے راحت دل بھی نہ لیا
 تو بتا دے کہ وفاؤں میں وفا کونسی ہے
 میکدہ لوٹ لیا لوٹنے والوں نے تو
 ہم یہ کہتے ہی رہے تیری رضا کونسی ہے
 موت بھی اس نہیں آئی ستم کیستوں کو
 درد کو جس سے شفا ہو وہ دوا کونسی ہے
 زندگی شمع سحر ہے کہ بجھی جاتی ہے
 جھللا جائے کوئی دم وہ ہوا کونسی ہے
 لب دریا نہیں ڈوبے لب ساحل ڈوبے
 کیا پتہ مساحت رنگ قضا کونسی ہے
 جی لئے جیتے ہیں ہم رنگ زمانہ ہو کہ
 کیا خبر بندگی صبر و رضا کونسی ہے
 تیرے منس منس کے سہے دل پہ یہ بیس بیس
 اس نے چھوڑی ہے جو طرز جفا کونسی ہے



آپ کے لطف و عنایات کی یاد آتی ہے
رنگ میں ڈوبی وہ ہر بات کی یاد آتی ہے

لب پہ آتی ہے فغاں بن کے دہائی میرے
جب بھی فرسودہ روایات کی یاد آتی ہے

چشم غماز کا ٹکرا کے الگ ہو جاتا
ان سوالات و جوابات کی یاد آتی ہے

شوخی جذبات کے آغاز کی یاد آتی ہے
ایک انجان ملاقات کی یاد آتی ہے

دل کا ہر گام دھڑک کر وہ دہائی دنیہ
کیسے محصور حجابات کی یاد آتی ہے

وہ اسنگول کی جوانی کا زمانہ تو یہ اس حسین چاند حسین رات کی یاد آتی ہے



لب پہ شکوہ بھی نہیں حرف تمنا بھی نہیں
بھول جاؤں میں تمہیں دل کو گوارہ بھی نہیں

کیوں تکلف ہے میری بزم میں آنے کے لئے

ولیسے آجاؤ کوئی آپ سے پردہ بھی نہیں

کس سے پوچھوں کہ کہاں ہے وہ بہار گلشن

کہیں محفل میں کوئی آپ کا چرچا بھی نہیں

سینکڑوں مرثیے ہیں اک چشم کرم کی خاطر

لطف تو یہ ہے کہ انداز مسیحا بھی نہیں

خوف رسوائی ارے کاش برا ہو تیرا

کبھی جی بھر کے انھیں ہم نے تو دیکھا بھی نہیں

خواب سہی کیوں نظر آتی ہے عنایت ان کی

دل نے چاہا نہیں ان کو کبھی ایسا بھی نہیں

یہ محبت ہے یہاں کفر غفلت کی دلیل

کوئی کعبہ یہ نہیں کوئی کلیسا بھی نہیں

کس قدر ڈھونگ ہے انداز محبت تحسین

کہ محبت بھی نہیں اور تماشا بھی نہیں



اس بھری بزم میں تنہائی سی تنہائی ہے
جیسے ہر بات میں ہڑاؤ ہے یکتائی ہے

بے خودی میں وہ چلے آئے ہیں مینخانے میں
ہوش آیا ہے نہ جانتے کی قسم کھائی ہے

دل تو ہر رنگ میں دیرانہ سعادیرانہ ہے
کون کہتا ہے کہ خوشیوں کا تمنائی ہے

آپ نے جیسے نوازش کی قسم کھائی ہے
بات کیا ہے کہ یہ انداز شکیبائی ہے

بک گیا دل تو وفاؤں کے صلے میں تحسین
کون جانے کہ یہ عظمت ہے کہ رسوائی ہے



تمنا محقق کہ رشکِ خلد دیکھیں اپنی دنیا کو
نہ غم اپنا ہر منزل نہ ہی وہ سرخوشی اپنی

اندھیرے اپنی قسمت ہیں کہ یا ہم ان کی قسمت ہیں
کبھی یہ ظلمتیں اپنی کبھی یہ تیرگی اپنی

جلا دی ہسم نے گوہرِ جان کو پتھر کے ٹکڑے کو
محبلا دو کور باطن کو نہیں میں یہ دوستی اپنی

مری ہر اک تمنا ان پہ یوں ویران ہو جاتی
کہ وہ ساحل پہ ہونے اور کشتی ڈوبتی اپنی

سلامت مئے پرستی کی تمنا جذبہٴ پیہم
ہمارا میکدہ اپنا ہماری مئے کشی اپنی



چمن کی فضاؤں میں غم دیکھتے ہیں
 دہلے تاب رو حیں حسین پیکروں میں
 اس اٹھتی ہوئی موج صبح چمن سے
 یہ فرق من و تو ہے واعظ میں مجھ میں
 کہاں دشمنی ہے کہاں دوستی ہے
 غبارِ رہ کارواں بن کے گم ہیں
 بہت لیکے اٹھے ہیں غمِ جواں وہ
 یثمانیاں ان کی منزل بہ منزل

بہاروں کے دامن کو غم دیکھتے ہیں
 قفس سے چمن تک ارم دیکھتے ہیں
 تبسم گلوں کو بہم دیکھتے ہیں
 مکاناتِ دیر و حرم دیکھتے ہیں
 زمانے کی نظروں کو کم دیکھتے ہیں
 وہ منزل کی جانب جو کم دیکھتے ہیں
 جدھر دیکھئے چشمِ غم دیکھتے ہیں
 انھیں بزم میں چہ کغم دیکھتے ہیں

نئی اک اداسے وہاں لڑکھڑائے

جہاں لغزشوں کا بھرم دیکھتے ہیں



رواق بزم رہے ہم ہی زمانے بھر میں
رنگ کیا لائے گی اب طرز کہن میرے بعد

تیرے افسانے سے آباد تھے یہ ویرا نے
سونے ہو جائیں گے یہ دشت و دمن میرے بعد

کسے برگشتہ نظر آتے ہیں اہل گلشن
جیسے بجھ جائیں گے خورشید چمن میرے بعد

زخم جکے ہیں تو مچھو لوں پہ نکھار آیا ہے
اور کچھ نکھرے گا انداز چمن میرے بعد

میرے شے سے بدل جائے گا غم کا عذاں
سینکڑوں ہوں گے یہاں غنچہ دہن میرے بعد

نکھتیں گل سے اڑی جاتی ہیں، شبِ نیم کی طرح
خار ہو جائیں گے کیا؟ رشکِ چمن میرے بعد

آپ کے ظلم سے اٹھے گی نہیں رسمِ جفا
ختم ہو جائے گا الفت کا چلن میرے بعد

میرا افسانہ ترے نام کے ساتھ آئے گا
یاد رکھیں گے مجھے اہل وطن میرے بعد

پوچھتے ہیں وہ بھری بزم میں ہم سے تحسین
کون فرمائے گا پھر شرحِ چمن میرے بعد



آپ کیا سچی کرم بھی نہیں فرمائیں گے
ٹھیک ہے ہم تو بہر حال بہل جائیں گے

آج مانا کہ میں بے گانہ وحشی پر ماٹل
پر شش غم کے بھی اسباب نکل آئیں گے

غم کی ہر بات سویرے نکلے تک ہے
سب اندھیرے صبح انوار میں ڈھل جائیں گے

ہم تو بے چارگی زلیت سے عاجز ہیں اب
آپ کہتے ہیں تو کچھ اور بہل جائیں گے

بنفستی میں بہت سست ہے رفتارِ اصول
ہم جو چاہیں تو یہہ اطوار بدل جائیں گے

ایک شعر
نیم وانر گس کا منظر بھی ہے کتنا دل نشین
ایک دوشیزہ کی آنکھیں جیسے ہوں کچھ شریں



کانٹا سا دل میں ٹوٹ گیا اور کھل گیا
 حقیقت وہی جگہ ہے جہاں دل بہل گیا
 کانٹوں کے جھونکوں سے گلستاں شعل گیا
 دزدیدہ اک نگاہ سے مرا غم بہل گیا
 کس کی نگاہ شوق پہ کب دل طویل گیا
 ہر اک بلاکتان تمنّا بہل گیا
 وہ لمحہ حیات بھی آ کر نکل گیا
 جیب سے غم و بہار کا عنوان بدل گیا
 جادو کمالِ دوقِ نظریہ وہ چل گیا

اک چشمِ التفات کی اتنی سی بات ہے
 ترغیبِ غلہ دے نہ اسے واعظِ خدا گواہ
 الزامِ بخود ہی لئے پھرتا ہے باغیاں
 ناسخِ نظرِ تمہاری رہی مرا کیسا رہا
 کس بوڑھے وہ گردشِ دوراں کی رہی
 ساقی نے کیا پلائی کسے ہر دلِ مچل گیا
 چند اک نفس کی بات رہی زندگی کی بات
 غم چارہ گوچے میں مزاجِ سُخّور کا
 تئیں خیالِ سازشِ دوقِ نظر سہی



آپ آجائیں جو ایسے میں کوئی بات بھی ہے
 اک طرف آپ سے تجدیدِ ملاقات بھی ہے
 محفلِ شہر میں یہ حسنِ خیالات بھی ہے
 کیونکہ تکمیلِ وفا آج روایات بھی ہے
 آنکھ ملے ہی کسے رابطہِ سوالات بھی ہے

وہ حسین چاندِ تماشا کی جواں رات بھی ہے
 ایک طرف تشنّہ لبی اپنی قسم کھاتی ہے
 کس کی روداد ہے کیا جانے کوئی دیوانہ
 وہ چلے آئے ہیں بیدادِ کرم کی خاطر
 کون کر تلبے آئے تئیں کرم کی باتیں



اے یادِ صبا کہہ دے ذرا ابرخزاں سے
اٹھا ہے تو بر سے کہیں کچھ دور سی جا کے

مدت میں جمع میں نے کئے چار ہیں تنکے

ظالم نہ نشین پہ تڑپ ایسی ادا سے

اک تجھ پہ ہی موقوف نہیں ہے دل مضطر
گلشن میں ہوا چلتی ہے اک ان کی رضا سے

اب کون یہ سمجھا دے کہ ہے وسمِ حفا یہ
اٹھے ہیں وہ اس بزم سے کچھ ایسی اداسے

ساقی کی عنایت ہے کہ بیگانہ دشی ہے
بے چین فضاؤں میں دیا چھوڑ جو لا کے

ہر حال میں ہر درد کا درماں ہے اے تحسین
کچھ پہلو نکل آتے ہیں تسلیم و رضا کے

دو شعر

تشنگی وہ گداز ہو جائے محرم سوز و ساز ہو جائے
شعلہ تشنگی یہ جن و عمل رنگ فیض و حجاز ہو جائے



ہے میری داستاں مجھ کو ہے دعویٰ زباں دانی
زمانہ کیا نکلے گا مری ہی داستاں مجھ کو

ابھی ترپول تو شاید اس آجائے جنوں میرا
ابھی کچھ اور ترپا دے مرے درد نہاں مجھ کو

ہزاروں منتر لیں ابھریں مری اک عزم ٹھوکی سے
ابھی رہیں سمجھتا ہے غبار کارواں مجھ کو

سنادوں داستان اپنی بہ اندازِ شکر
 ذرا اذنِ تکلم دے اے میرے پاساں مجھکو

بتادوں وقت پر ہوں جہریا کہ کوئی ذرہ ہوں
 کہ یہہ چیلنج کرتی ہیں چمن کی قسمیاں مجھکو

مزه جب ہے مرے ساقی وفا کی بات رہ جائے
 نہ کر آئادہٴ تخیل رہیں امتحاں مجھکو

میرے دستِ تخیل میں ہر اک شے میری اپنی ہے
 میں سمجھوں ہم زبان اس کو وہ سمجھے جہریاں مجھکو

مقدار چیز ہی کیا ہے مگر محسوس ہوتا ہے
 شکایت ہے مقدار سے کہ لے آیا کہاں مجھکو

مٹی جاتی ہوں ہمرنگ چمن ہوں آج اے تحسین
 ابھی گلچیں سمجھتا ہے چمن میں باغباں مجھکو



دل کو ہے آرزو مرے اشک رواں سے دور
ادج شفق سے دور کہیں کہشاں سے دور

تیری زمیں سے ابنوہ بیچارگیاں سے دور
منزل مری ہو وسعت کون دیکال سے دور

منزل وہی ہے اب بھی مرے کارواں سے دور
بجلی چمک رہی ہے مہرے آشیان سے دور

اے جوش تشہ لب تو خیل موج و آب میں
یہ کیا کیچل رہی ہوں میں سیل رواں سے دور

رنگ حیات بن کے نکھر جائے گی حیات
رو کی گئی بہار اگر گلستاں سے دور

حال دل خریں کو نہ یوں ہم سے پوچھئے
روتا رہا ہے اور ہے آہ فعال سے دور

ان کا گمیز ہم سے رہا ناگزیر سا
ہم جہریاں وہی رہے ناہرباں سے دور

تختیں کے لب پہ نیم تقبسم رہا منزل
اور آشنا نہیں کوئی درد نہاں سے دور



شب غم کی سحر نہیں ہوتی رات کیوں مختصر نہیں ہوتی
 رات کے بعد صبح برحق ہے ہوتی ہے پر ادھر نہیں ہوتی
 مٹ رہے ہیں حیات کے ہاتھوں زندگی بارور نہیں ہوتی
 قسمت عشق میں اندھیرے ہیں صبح نوکس کے گھر نہیں ہوتی
 حسرت عشق سجدہ گاہ حبیب یہ کبھی در بدر نہیں ہوتی
 موت بیمار کی مسیحا ہے زندگی حیارہ گر نہیں ہوتی
 عشق صادق میں اے مرے بھدم چاندنی ہمسفر نہیں ہوتی
 زحمت انتظار کی لذت کس قدر چاہ گر نہیں ہوتی

آپ بخ دیتی ہے دل کی ہر دھڑکن

باعثِ شوا و شہ نہیں ہوتی

ایک شعر

غنیمت کچھ منتے رہے کچھ پھول مرجھاتے رہے
 بے شب تاقی کا وہ عتس راز سمجھاتے رہے



کچھ یوں نیاز و ناز سے خوشیوں سے ہم ملے
 ہر سمت اس نگاہ کے قول و قسم ملے
 کیا مل سکے گا غم کی کڑی دھوپ کے سوا
 بیگانہ حیات سے تم اے صنم ملے
 لے کر چلے تھے ابھن دل بساط پر
 بے تاب یوں سے کہدو کہ ہم چشم غم ملے
 تکرار موت و زلیست سے ہے تو خجل خجل
 کیا بات راہ میں نہ اگر پیچ و خم ملے
 فطرت کی نبض کو بھی ٹوٹا ہے آپ نے
 ہر اک قدم پہ آپ کے جھوٹے بھرم ملے
 دل سے لگا لیا کہیں آنکھوں سے چوم لی
 وہ سجدہ گاہ شوق جہاں تم سے ہم ملے
 دست طلب بڑھا کے کوئی کہہ رہا ہے یوں
 نقش حیات و موت کے ہر جبا بہم ملے
 غم کی گھنیری شام گلے سے لگائی ہے
 جلوئے تمہارے جب بھی چہیں کم سے کم ہے
 تحسین آج اور ابھی اب کی بات ہے
 اپنے کرم کے ساتھ ہی ان کے ستم ملے



لاکھ الجھا کئے کانٹے تو گریبانوں سے
دامن صیر نہ چھوٹا کبھی دیوانوں سے

مل بھی جاؤ کہ تمنا کا عہد مر رہ جاؤ
کوئی کہدے تو ذرا سوختہ سامانوں سے

اے مرے غم سفر اور بھی کچھ تیز تو چل
ناصلہ اب بھی ہے کچھ دورِ شہستانوں سے

کیا دیا اپنے اس دشت کی ویرانی کو
کاش پوچھے کوئی گلشن کے نگہبانوں سے

ہر گلی نذر خزاں ہو تو بہار آتی ہے
کل صبا کہہ گئی گلشن میں یہ دیوانوں سے

سوگ تھا بزم میں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کا
وہ جو قفل کی صدا اٹھی تھی مینانوں سے

چاک دل چاک ہر چاک گریبانِ حسین
حالِ دل کون کہے اپنے مہربانوں سے



میری افسردہ نگاہی سے عیاں ہے خورشید
نہیں سیلاب طبیعت کو گوارہ بخشید

آپ کو مجھ سے گلہ لذت بے داد تو تھی
آپ نے میری قسم کھا کے یہ کیوں کی تردید

دلِ دیوانہ تڑپ اور تڑپ اور چل
تیری افتادِ طبیعت ہے خرد کی تجدید

اتنا مایوس نہ کراے دلِ مضطر مجھ کو
کاش کہدے تو ذرا ہے یہ جنوں کی تہید

رمزایماں بخدا مجھ کو سمجھنے دیجئے
شیخِ حجاز آپ جو فرمائیں تو ہوگی تاکید



رہیں مطرب و ساقی ہے ظلمت شب بھی
سکوت بزم ہے گر دش میں جام کہتے ہیں

زبان ہے بند اسے اذن عام کہتے ہیں
کھلین نہ پھول اسے انتظام کہتے ہیں

یہ اک غریب تصور ہے یا کمال ہنر
فنونِ شب کو وہ ماہ تمام کہتے ہیں

بہار آئی چمن میں کہ برق لہرائی !
نہ جانے کیا یہ مرے صبح و شام کہتے ہیں

در حبیب ہے ہم میں حصولِ سجدہ ہے
کبھی متام کبھی نامتام کہتے ہیں



میرے ان نین کٹوروں میں نہ تم لہراؤ
میرے گالوں کے شہابیوں ہی میں تم مسکاو

کک زخم کہیں صورت بے داد کہیں
یاد آو تو مجھے آت بہت یاد آو

عشق کی بات ہر لحظہ مٹانے والو
شع ہستی ہی کو اک بار بجھاتے جاؤ

ڈوب جاؤ نہ کنارے کی تمنا کیجؤ
درد کی چھاؤں میں ایسے نہ کہیں سناؤ

کیا بجھائیں گے فریب رہ باطل کے فنوں
اک دیا آندھی میں تم اور حبلا تو لاؤ

ان جہکتی ہوئی صبحوں کی تلی بن کر
ان خرافات اندھیروں پہ کرم فرماؤ

ان کا کعبہ یہ نہیں ان کا کلیسا یہ نہیں
دل کی دنیا ہے مری شوق سے آؤ جاؤ

آج بہتر ہے یہ فرماؤ کی خارا شکنی سے
زخم کی طرح گلستاں میں جھکتے جاؤ

حس کے شعلوں نے جلائی ہو تمہاری ہستی
مثل پروانہ اسی شمع پہ مرتے جاؤ

ذرے ذرے کو ہو احساسِ ندامتِ تحسین
وسعتِ ہستی صحرا میں بھرتے جاؤ



سازا حاصل کے تاروں کو نہ چھیڑا کیجئے
محفل نیم شبی کو نہ مری گرو ماؤ

گیت بستی ہوں بے خواب نظاروں کے لئے
یہ بستم ہے کہ ستم ڈھاکے نہ تم بچھتاؤ

بچھین لوں بڑھ کے زمانے سے غلط اس کا چلن
طاقت ذہن رسا میری مجھے لوٹاؤ

چاک کردوں میں ابھی جھوٹ و بہالت کی قبا
ان عزائم کو نہ لوٹو گئے قسم تو کھاؤ

ہر قدم پر نہ کوں اس طرح تذلیل حیات
اپنی دھرتی کے خداؤں کو کوئی سمجھاؤ

جھوٹ کے عقدہ مشکل کو کرو کچھ آساں
بہتر کھیتی پہ قہر بن کے برستے جاؤ

تم ہی جیسوں نے تو مریم کو کیا ہے رسوا
تم ہی نادانوں نے سیتا کے لکائے گھاؤ

زندگی کے لئے زخموں کی پریش کیجئے
غیرت اہل نظر بن کے ابھی تڑپاؤ

زخم دل کو پہ ابھی تلخی دوراں کی تلاش
کوئی الزام نیا اور ابھی ہے آؤ



جب محبت کی دلوں میں کار فرمائی نہ تھی
 آنکھ یوں اٹھتی تھی گویا اس میں بینائی نہ تھی
 کیوں کہوں اس دل کو غم میں بھی شکیبائی نہ تھی
 درد تھا دل میں مگر لذت ابھی پائی نہ تھی
 ہر طرح کی بندشوں سے جب کہ ہم آزاد تھے
 وہ بھی کیا دن تھے کہ جب دل میں حیا آئی نہ تھی
 یوں نہ تھی بے تاب سجدوں کے لئے اپنی جبین
 دردِ دل سے واسطہ غم سے شناسائی نہ تھی
 مئے پرستی چھوڑنے کا تو ارادہ تھا مگر
 بات یہہ اس وقت کی ہے جب گھٹا چھائی نہ تھی
 جب کہ حسن و عشق کی باہم شناسائی نہ تھی
 چاند گونکلا ہوا تھا پر ضیا آئی نہ تھی

ایک شعر

یوں نہیں چلتا ہے ان پر سیچ راہوں پر کوئی
 جیسے دوشیزہ چلتے عاشق کی باہوں میں کوئی



دوٹی جو کند آکے لب بام تو کیا ہے
باندھیں گے تے سہرے نیا رخت سفر اور

ٹھوکر میں غزائے میں طوفاں و تلاطم
رکھتے ہیں یہاں برق شرراپنا اثر اور

ہر گام سے آگے ہے مری حد نظر اور
ہر غزم سے پیدا ہیں نئے شام و سحر اور

دونوں میں کہاں ایک ہوس اور محبت
سرمایہ دل اور ہے طوفانِ نظر اور

گر غم نہ ہو تکمیل تمنا نہیں ہوتی
لائیں گے تڑپنے کو نیا دردِ خسگر اور

کیا ربط ہے اس یزمنِ سخن سے تجھے حسین
منزل ہے تری اور ترا ذوقِ سفر اور



ہے سلامت ان کا دامن بے خودی شوق میں
 اہل دل اہل خرد کو کون دیوانہ — کہے
 میں کہوں گی دل کی عظمت اس کے دل ہونے میں ہے
 کوئی بیت خانہ کہے کوئی صنم خانہ کہے
 کیا ہوئے وہ میکدے میں ساغر و صہبا کے دن
 رند ساقی سے ذرا اب حال مئے خانہ کہے
 زندگی ساغر بدست ہے ان نگاہوں کی قسم
 کیسے ہر اہل طلب کو شمع پروانہ کہے
 زندگی دل بھی ہے اب دلدار بھی دیدار بھی
 ذکر گل ساقی کرے اب حال پیمیانہ کہے
 بڑھ گئے ہیں اور کچھ غم اور خوشی میں فاصلے
 شام غم گہدے کوئی کہ صبح ویرانہ کہے
 چھوڑ دو غم اب دل غم کے ہر اک مضراب کو
 کہدو اب راوی سے غم کا میرے افسانہ کہے
 وہ ستم کش وہ جفا جو صورت بیدادگر
 میرے ضبط غم کو شاید حشن پیمانہ کہے
 مل ہی جائے گا کہیں تو زندگی کو باتکین
 کون تحسین اپنے غم کا ان سے افسانہ کہے



جیسے شوق میں میری کئی سجدے ٹپکتے ہیں
 نہ پایا آستان تیرا نہ کی ہے بندگی میں نے
 بڑی مشکل سے پایا تھا سراغ منزل ہستی
 کہا منزل نے ٹھہرا کر کہ کی ہے دل لگی میں نے
 بہت ارزا ہے اس بازار میں حسن و وفا شاید
 عطا کی دوستی میں نے خریدی دشمنی میں نے
 زمانہ ٹوٹ کر گرتا رہا خوشبول کی لذت پر
 رقت بھر غم کے بدلے میں نہیں لی سرخوشی میں نے
 کہاں تک ٹھو کریں کھائیں وہ فردے نوا آخر
 غم ہستی سے گھرا کر تمہیں آواز دی میں نے
 مری بر باد یوں پر ہنس گئی ہر شے حقارت سے
 مگر کانٹوں پہ ہنس ہنس کر گزاری زندگی میں نے
 یہ کیا کم ہے کہ غم سارہ منجا اپنا ہے اے حسین
 ہزاروں ہوش بے کر بھی نہ چھوڑا بے خودی میں نے



ہزار بار بھی تو میں آرزو کرتے ترے بغیر نہ جینے کی آرزو کرتے
 دلوں کی بات کو کیا ہم کسی سے کہہ دیتے زبان غیر سے کیا شرح آرزو کرتے
 خلوص دل کی نہ تو میں دیکھ سکتے ہم ترے خلوص کی تصویر رو بہ کرتے
 تری نگاہ میں جذب و فاجو مل جاتا نہ خلد میں بھی تمنائے خو بہ کرتے
 سہل کے دیکھتے دل و نظر میں ہم تیری کہ خود کو تیری ہی تصویر ہو بہو کرتے
 یہہ دل ہے آج بھی تیرا ہی آئینہ خانہ ترے بغیر بھی ہم تجھ سے گفتگو کرتے
 جو دل کو آرزو ہوتی تو غمزدہ دل سے ترے لئے ہی تقاضائے جستجو کرتے
 جہن میں غنیمت و گل کو وفا سکھا دیتے تری جفا میں بھی پیدا وہ رنگ و بو کرتے

محب خدا ہے محبت نماز ہے حسین
 شراب آنکھوں سے ٹپکے تو ہم وضو کرتے

ایک شعر

قفس کے پھونکنے کو آہ تھی فقط کافی
 ہم اور حسرت برق و شرار کیا کرتے



ہر ایک چہرہ فرد دنیا لگے ہے مجھے
مرا قیب مرا آشنا لگے ہے مجھے

نار ہا ہے زمانہ فسانہ فردا
مرا اک فسانہ مرا ما جرا لگے ہے مجھے

وہ چھارہ ہا ہے کچھ اس طرح سے خیالوں پر
لگوں میں خون دوڑتا لگے ہے مجھے

کبھی دعا میں کسی کی اثر نہیں دیکھا
تھرپ بھی کوئی دیدے دعا لگے ہے مجھے

عجیب دور ہے فرعونیت کا عالم ہے
ہر ایک بندہ زرا ب خدا لگے ہے مجھے

جو زہر تم دو مجھے آج بھی گوارہ ہے
تمہارے ہاتھ سے اب بقاء لگے ہے مجھے

جو تم کہو تو مری داستان الگ تو نہیں
تمہاری بات مراد عا لگے ہے مجھے

قدم قدم ہے مرا زندگی سے بیگانہ
یہہ زندگی مری جیسے نر لگے ہے مجھے



کون بدل سکتا ہے تقدیروں کی تحریریں
مٹھرو کھینچ لینے دو بے رخی کی تصویریں

میری جذبِ فطرت نے لی اک اور انگڑائی
جب بھی تم نے عاید کیں تازہ مجھ پہ تحریریں

امیدوں کے دامن میں انقلاب پلتے ہیں
ہم تو حوصلوں ہی سے بدلیں اپنی تقدیریں

جھوٹے ہیں سب افسانے سرخیوں سے کیا حاصل
عہد و پیمان ہوتے ہیں خونِ دل کی تحریریں

ہم میں موز لاپرواہ طوفان ہیں ہم آندھی ہیں
پرفیس میں رہتے ہیں پاؤں میں ہیں زنجیریں

آفتابِ زندگی میرے غم سے روشن ہے
درد و غم کا حاصل ہیں زندگی کی تنویریں

زخمِ دل کے بھرنے تک کب بہاریں آتی ہیں
ہم نے کب یہ پائی ہیں بے وجہ کی توقیریں

بن مانگے کے خالی ہیں دست دعا زاد کے
ہم تو اب بھی کہتے ہیں کام آتی ہیں تدبیریں

لے لیتے ہیں تحسینِ ہم نے سپنے دیکھے تھے
الٹی بھی تو ہوتی ہیں کچھ خوابوں کی تعبیریں



رنگ اڑ جائے گا ساقی ترے میخانوں سے
ہنس کے ہر رنج کو ہم یوں بھی گوارا کر لیں

ہوں گے وہ اور جو مرتے رہے ساحل کے لئے
ہم تو ہر موج کو دریا کی کتارہ کر لیں

کتنبے تاب نظارے ہیں سر طور ابھی
”گہدو منوئی سے ذرا آکے نظارہ کر لیں“

زندگی زندگی ہے آپ کی مرضی ہو اگر
بخش دیں موت بھی گر ہم تو گوارہ کر لیں

آج دیتی ہوئی برساتوں میں وہ یاد حسین
یاد بن جاتی ہے ایسی کہ سہارا کر لیں

اشک آنکھوں میں ہمارے دزنا یاب سہی
بھر بھی کیوں غم ہی کو ہم اپنا سہارا کر لیں

زلیت سے پیار ہے مزم کے جئے جاتے ہیں
خضر کی عمر بھی ویسے نہ گوارہ کر لیں

کشتی زلیت کو تو ڈال دیا موجوں میں
کاش تختیں وہ ساحل سے نظارہ کر لیں



کچھ اس طرح خیال کے تم روبرو رہے
جیسے شباب و شتر کی مٹھل سبھی رہی

تم نے تو زندگی کو کئی بانکپن دیے
ماتم کناں حیات کی دوشیزگی رہی

وہ میری کائنات پہ چھاتے چلے گئے
ناسور بن کے وقت کی بخیہ گرتی رہی

کیا کیا نہ طے کئے ہیں شب غم کے مرحلے
کیا کیا نہ زندگی سے مری دشمنی رہی

یوں ہی چراغ آلود و منس کر جھلا دیا !
ان کی نگاہ شوق جو ساغر بنی رہی

بکھتے ہوئے چراغ کہیں لہکشاں رہے
دھندلا سا اک غبار کہیں چاندنی رہی

ساقی ترے کوم سے شکایت نہیں مجھے
تو نے بسا طعہ دی مجھے تشنگی رہی

دل کو خرد نے لاکھ دہائی دی یوں مگر
الہ کے خیال سے ہمیں وابستگی رہی

زخم حیات بن کے رہے زخم کائنات
تختین سحر سے شام کی تابندگی رہی



سوزِ دل کو حاصل ارماں بنانا ہے تجھے
 انتہائے یاس میں بھی مسکراتا ہے تجھے
 ہاں نہ آتا پھر نہ آتا اب تصور میں میرے
 "اے وفانا آشتاب بھول جانا ہے تجھے"
 صرف ایثارِ تمنا ہی نہ ہوتا سداً اصول
 جلوہ خوداریِ دل بھی دکھانا ہے تجھے
 شکوہِ الفت نہیں ہے شیوہِ یاس و وفا
 جذبِ ایثارِ محبت بھی دکھانا ہے تجھے
 دردِ الفت کس قدر ہے اں کے دل میں آج بھی
 پردہِ غفلت میں رہ کر آزمانا ہے تجھے
 ہرمتِ کومٹا کر کر کے خونِ آرزو
 لاکھ طوفانوں کی زد میں مسکراتا ہے تجھے



آداب محبت شرط وفا آئین زمانہ مہجول گئے
 جلوؤں کی منائش عام نہ تھی، ان ہی سے پردہ مہجول گئے
 اے کاش کہو کہ کچھ تو کہو کچھ شرح بیان غم ہی کو یہیں
 وہ دل کا فسانہ کیا ہو گا جو غرض متن مہجول گئے
 چاہا تو بہت تھا ہم نے مگر پوچھ لگے تری تصویر سی
 کچھ ایسی شب غم بیت گئی ہم تجھ کو مسیحا مہجول گئے
 کہنے کو نظر کی بات سہی اک آہ بھی کی جو آگ لگی
 وہ سینکڑوں وعدوں کا عالم اے جان تمنا مہجول گئے
 عادت تو نہیں تھی اپنی یہہ بھیجھ مہجول یہ کیسی مہجول رہی
 گم ہو کے ہم ان کی نظروں میں خود ان کا نظارہ مہجول گئے
 طوفان میں تجھ کو بھی اسے دل اندازہ طوفاں کیا ہوتا
 موجوں نے بھی رستہ چھوڑ دیا ہم ہی وہ کتنا را مہجول گئے
 اپنی یہہ عیادت ہے زاہد کچھ صبر بھی ہے کچھ جبر بھی ہے
 اشکوں کا تلاطم مہجول گئے آہوں کا تقاضہ مہجول گئے
 کچھ کھوئے ہوئے کچھ پائے ہوئے اس بزم سے کھو گئے
 کیا کہئے کہ کیا کیا یاد رہا کیا کہیے کہ کیا کیا مہجول گئے



پوچھا تھا جن کو ہم نے وہ اضماع کیا ہوئے
ان کی دعائیں کیا ہوئیں دشنام کیا ہوئے

مشام آرزو سے چمکتے چمن چمن
یہ پر تو حیات وہ گلغام کیا ہوئے

نبضِ حیات رکتی تھی وہیں مقام پر
اب اس مقامِ شوق کے سب نام کیا ہوئے

اچھی بہار سے تھی بہاروں کی بات ہی
وہ نامہ بہار وہ پیغام کیا ہوئے

پھرے چلا ہے جانبِ صحرا مجھے جنوں
صیاد نے پکھڑے تھے جو دام کیا ہوئے

ویرانہ جلوہ جلوہ ہے صحرا نظرِ نظر
تختین تمہارے بندہ بے دام کیا ہوئے



میں کس سے جنگ کروں کس سے آشتی چاہوں
 کہاں اپیل کروں کس سے ماضی چاہوں
 نہیں ہے مجھ کو گوارہ جو زندگی مانگوں
 سدا بسورتے ہونٹوں پہ میں ہسی چاہوں
 کسے پکاروں نگاہِ کرم کی خاطر میں
 خدا بناؤں کسے کس کی بندگی چاہوں
 یہ بے خودی ہی بہت سے مری خودی کے لئے
 خوشی ملے نہ مجھے مگر میں آگہی چاہوں
 دل و نظر کی امانت ملیں وہ چند لمحے
 میں جام توڑ دوں محفل میں تشنگی چاہوں
 مرے خدا مجھے مجبور اس قدر تو نہ کر
 ترے جہاں میں تنگ آکے خود کشی چاہوں
 یہ میری مجھول ہی ہوگی ادھورے خاکوں میں
 اڑے اڑے ہوئے رنگوں میں دل کشی چاہوں
 کہاں کی ریت ہے اپنوں کا یہ تقاضہ ہے
 سیہ خانے میں اپنے نہ روشنی چاہوں



جب بھی پہلے ہیں ذرا رونے کے سامان نکلے
 اشک بن بن کے مری آنکھوں سے ارمان نکلے
 کوئی ہمدم کوئی زخموں کا مسیحا نہ ملا
 ہریاں گھر میں مرے خانہ پہ جہان نکلے
 ہم سمجھتے تھے اندھیرے ہیں نکلنے والے
 حادثے کتنے چراغ تہہ داماں نکلے
 لوگ کہتے تھے ہیں ہم ہیں نصیبے والے
 کس قدر ہم بھی یہاں بے سرو سامان نکلے
 عمر کٹ جاتی بہاروں کی پناہوں میں مگر
 ہم بھی صیاد اسیر پس زنداں نکلے
 مٹ گئے ان سے جدا ہو کے کھلا اب ہم پر
 دور سمجھے تھے جنھیں پاس رگ جاں نکلے
 زندگی تجھ کو بڑی دور سے دیکھا میں نے
 سب کے سب خواب میرے خواب پریشان نکلے
 زندگی نام مرکب ہے کئی انگوں کا
 میرے افسانے کے ویسے کئی عنوان نکلے
 ناز تھا اپنی دفاؤں پہ حصین اے تختیں
 اس بھری بزم میں وہ لوگ بھی عریاں نکلے



آنکھوں میں بسا لول جسے وہ راز نہیں ہے
 آنچل میں چھپالوں کوئی دماز نہیں ہے
 لوٹا دے کوئی میرے وہ ایام گزشتہ
 ایسا ابھی دنیا میں وہ اعجاز نہیں ہے
 عالم تھا تو اسخ تبھی شہر وفا میں
 اب دور تلک کوئی بھی آواز نہیں ہے
 کیوں چھپ گئے سب جلوہ رنگین نظر سے
 انجام ہے ہر بات کا آغاز نہیں ہے
 یا ان کی جیس ہو گئی بے گانہ سجودہ
 یاد رہیہ مرا سجدہ گہ ناز نہیں ہے
 اب دل کو کہاں ضد ہے کہ رہے کہیں چلکر
 کیوں اب یہہ کوئی اور جہاں ساز نہیں ہے

ایک شعر
 نہیں ہے سانس بھی لینا جو بس میں اے تحسین
 ہم اپنی آہ سے پیدا شرار کیا کرتے



دل میں درد بے پناہ آنکھوں میں اشکوں کا ہجوم
 آگئے ہیں لے کے ہم سوغات تیرے شہر میں
 سنتے آئے تھے مسیحائی ہے تیرے شہر میں
 ڈھونڈتے ہیں وہ دوا دن رات تیرے شہر میں
 لے رہی ہے زندگی درد مسلسل سے خراج
 دل جلوں نے دیکھ لی اوقات تیرے شہر میں
 بستی ہے اخلاص کی سوغات تیری بزم میں
 لگتے ہیں غیروں کے احساسات تیرے شہر میں
 دوست تیرا یہ خلوص بے کراں جہم سا ہے
 اجنبی سی لگتی ہے ہر بات تیرے شہر میں
 دل کو بہلاتی نہیں ہے چاند کی رانمش گری
 آگ سی لگتی ہے اب برسات تیرے شہر میں
 فصل گل آئے گی کب تک اس چمن میں لوٹ کر
 کب یہ اجڑے محفل آفات تیرے شہر میں



جلنے کیا سوچ کر منہ تھے کل
 یوں ہو اچھ تو یوں ہے یوں ہو گا
 کسے اپنا کہیں کسے بے درد
 دل مرحوم کا ہے کیا روتا
 رکے کس جایہ گردشِ دوراں
 غم کی ہر بات دل میں چھتی ہے
 جیسے جہاں جہاں میں رہتے ہیں
 اب وہ آئیں تو شوق سے آئیں
 آپ کی غم نوازیوں کی قسم
 ان کو ٹھکرا دیا تھا کس ساخت
 بچھ رہی ہیں حسین آنکھیں وہ
 نظریں بھٹی ہیں نظریں جھکی ہیں
 نام الفت ہے رنج کی تفسیر

جانے کیوں آج آنکھ پر غم ہے
 سو طرح سے صراحت غم ہے
 دل کی دنیا ہی آج برہم ہے
 یوں تو اپنی بھی زندگی کم ہے
 آج تک انقلابِ پیہم ہے
 جیسے دنیا کا غم مرا غم ہے
 ہاتھ میں جام ہے نہ ہی جسم ہے
 زندگی اک سکوتِ پیہم ہے
 زندگی اک تسلسلِ غم ہے
 دل کا اب تک نظامِ برہم ہے
 اور اپنا عجیب عالم ہے
 جسے دنیا ہی اک تلام ہے
 کس کو تختیں فرصت غم ہے

رہبری کی ادا نہ اپنا میں
 کیا ستم یاد آگیا کوئی
 اس آتا نہیں ہے ویرانہ
 بڑھ گئے کتنے قافلے واے
 کس قدر پسکوں میں منگامے
 نام اس تلخ سی حقیقت کا
 تیرے ہر اک ستم پہ دیوانے
 آپ آئے ہیں درد مندی کو
 آپ آئے تو زندگی گائی
 رہبروں کی سلامتی کم ہے
 شوخ آنکھوں میں کیوں تبسم ہے
 جیسے صحرا بھی خلوت غم ہے
 اپنی منزل تو پھر بھی مبہم ہے
 غم نہیں ہے فسانہ غم ہے
 دار منصور ابن مریم ہے
 کہہ رہے ہیں کہ حسرت غم ہے
 دل دیوانہ اب بھی برہم ہے
 شام غم صبح نو کا عالم ہے
 جانیے کیا کرم کریں گے آپ
 ستم بے نیاز کیا کم ہے

تین شعر

کرم ہو گا تمہارا ذرا عنوان بن جانا
 نشیلا سامرے دل کا کوئی ارمان بن جانا
 بہاریں ہی بہاریں ہوں اجالا ہی اجالا ہو
 سیہ خانے میں اس دل کے کبھی حیا بن جانا
 کوئی زاہد کوئی عابد کوئی پنڈت کوئی میکش
 نہیں آیا کسی کو اک ذرا انسان بن جانا



لطف جینے میں ہے باقی نہ ہے مرنے کا مزہ
 خستگی روح کو ہوتی ہے بہت کام کے بعد
 دل کی باتیں نظر آتی ہیں سہرا سر دھو کا
 جب کہ تری دید بھی ہوتی ہے ہر اوہام کے بعد
 ہر گھڑی آتی ہے ساغر میں نئے دھنگ سے منے
 رنگ میخوار بدل جاتا ہے ہر جام کے بعد
 رات لے آتی ہے عشاق کو پیغامِ فنا
 ”مجرم عشق کو ملتی ہے سزا شام کے بعد“
 اب نہ پرواں چڑھے گی یہ محبت صاب
 کہدیا کرتے ہیں ہم ان کے ہر اقدام کے بعد
 ایک حالت میں رہا ہے نہ رہے گا کوئی
 غم فرقت کی بھی ہوتی ہے سحر شام کے بعد



ترے ابرو کی شکن یاد آئی شورش رنج و محن یاد آئی
 آپ کے لب پہ تبسم پھیلا صبح کی پہلی کرن یاد آئی
 تم نے جو پھیر لیں آنکھیں مجھے اپنے پاؤں کی تھکن یاد آئی
 یاد آیا جو بہاروں کا چلن نیت زلف وطن یاد آئی
 زلف مستی کبھی کبھی تختی
 زلف گیتی کی شکن یاد آئی

دھندھلے

کون منزل پر ہے تیرا مقام بندگی
 سچ بتا مجھ کو تو اے دردِ نہاں

پھر وہی غم ہیں وہی نومیدیاں
 اے متاعِ زندگی تو ہے کہاں



لرزتے ہیں قدم ساقی ترے ہر ہر اشارے پر
 سفینہ شوق کا ہے بے خودی کے تیز دھارے پر
 کہیں موجوں میں ساحل ہے کہیں ساحل میں جویں ہیں
 متناؤں کی کشتی ہے امیدوں کے سہارے پر
 جلاتی ہے جو خرمن کو متناؤں کی چنگاری
 گماں ہوتا ہے شعلے کا اسی مدھم ستارے پر
 کمال بے خودی ہے جذب طوفاں ہے نہیں کھلتا
 تمنا ہے کنارے کی کھڑی ہوں میں کنارے پر
 بتا رہی تو ہی منزل ہمیں بھی کامرانی کی
 کہا لبیک ہم نے بھی تیرے ہر ہر اشارے پر
 یہ ان کے حسن ظن لطف و کرم کو کیا کہوں تحسین
 انھیں شمس و قمر کا ہے گماں مدھم ستارے پر

ایک شعر
 نگاہوں ہی نگاہوں میں مئے الفت کا پی جانا
 وہ ساعت عرفانی کیا تجھے بھی یاد ہے ساقی



مجھ کو جب بھولنے والے کی خبر ہوتی ہے
ایک ہلکی سی تڑپ سوئے جگر ہوتی ہے

اضطراب دل مضطرب ہے تو یہ ! تو یہ !
شام ہوتی ہے کدھر صبح کدھر ہوتی ہے

میری تاریکی قسمت میں اجاڑے ہیں کہاں
یہ تو ماضی کے اجالوں کی سحر ہوتی ہے

تری آمد کہ سرے دل کو فریب پہنچا
کان آہٹ پر نظر جانب در ہوتی ہے

ہوا احساس وفا بھی کبھی غافل تجھ کو
تیرے بیمار کی آنکھوں میں سحر ہوتی ہے

غم نصیبوں کے مقدر میں اجالا کب ہے
شب بھی تاریک ہے اندر سحر ہوتی ہے

نت نئے وار جو ہوتے ہیں جفا کے دل پر
بڑھ کے پھر اپنی وفا سیتہ سپر ہوتی ہے



دلوں کی پھر کینیں ساکنی تمناؤں کی پامالی
ہے آئین کین کا مستقل دستور ہو جانا

جلالو بحر ظلمت میں چراغ نور آزادی
لکھا دو ذرہ ذرہ کو سہرا پا نور ہو جانا

بہ حسرت ماہ و انجم بھی نشا طبع کھیں گے
زمین کی ظلمتوں میں نور کا دستور ہو جانا

مزارِ مفلسی پر بے کسی پھر یوں نہ روئے گی
ابھی دیکھیں گے ویرانوں کا رشک طور ہو جانا

تمنائیں کبھی حسرت بد اماں پھر نہیں ہونگی
دلوں کی دھڑکنیں جھولیوں کی پھر اینجور ہو جانا

لیٹش گی چند سکوں کے عوض کیوں عصمتیں ہمدم
کہاں باقی رہے گی بے کسی مجبور ہو جانا

قیامت ہے قیامت حامیان عمر پر حسین
شعاع نور آزادی کا برق طور ہو جانا



وہ آرہے ہیں شوق کا طوفاں ابھی سے ہے
داغوں سے دل کے بزمِ شبتاں ابھی سے ہے

وارفتگی شوق کا طوفاں نہ پوچھئے
اپنا جنوں تو چاک — گریباں ابھی سے ہے

دیکھا ہی کیا ہے تو ارے ناداں دل بھی
تجھ کو دُنائے یار پہ امیال ابھی سے ہے

ہر رہ گزریہ پڑتی ہے امید کی نظر
آنکھوں میں اشتیاق کا طوفاں ابھی سے ہے

اس فصل گل کا دیکھئے کیا ہو مال پھر
گلچیں جن میں پھول کا خواہاں ابھی سے ہے

مدِ یہ فصل گل کی پیہے کی یہ صدا
تحتیں ترے جنوں کا ساماں ابھی سے ہے



میکدے میں تیرے ساتی اب بھی کیف و کم سہی
 ہے فروغ عشق گلشن مسراداں غم سہی
 اک نئے عنوان سے روز و شب ہے اپنا امتحاں
 خاطر دلبر ہمارا جذبہ یہ ہم سہی
 اشک خوں سے یوں بھی جل اٹھی ہے نیم کاسات
 حاصل ضبط تمنا دیدہ پر غم سہی
 بے کئی زندگانی لب کو آفر کیا کہوں
 میکدے میں تیرے ساتی خیر جام جم سہی
 شکوہ ہائے اضطراب دل کہوں تو کیا کہوں
 آپ کی چشم کوم ہے ، مگر یہ ہم سہی
 کچھ ستارے صوفیاں ہیں اب بھی پلکوں پرمی
 جل رہا ہے وہ چراغِ آرزو در قفس ہم سہی



کبھی تو ہوش میں آنا کبھی مدھوش ہو جانا
کہاں کی ریت ہے یہ چھپڑ کر خاموش ہو جانا

کبھی تو پاس آ کر اک نیا طوفاں اٹھا دینا
کبھی آنا تصور میں کبھی روپوش ہو جانا

کسی کو کر دیا حیراں کوئی چونکا کوئی ساکت
تری آواز پر مسیدا سراپا گوش ہو جانا

سکوں کی گرمی ہو ملے گا غم کے پہلو میں
تلاش سرخوشی میں غم سے ہم آغوش ہو جانا

کسی کی بے رخی پر غم نہ کرنا آج بھی تجھ میں
سمجھ کر زلیلت کا حاصل ستم بردش ہو جانا



آپ کی چشمِ عنایت کا مجھے احساس ہے
بے رخی پر اپنی خود ہی آپ شرماتی ہوں میں

گو خیالوں کی ہے وسعت عرش سے بفرش تک
کیا کروں ماحول کو بگڑا ہوا پاتی ہوں میں

آج راہ ارتقاء میں ہیں ضوابط اک چٹان
چاہتی ہوں کچھ بڑھوں آگے کہ ٹکراتی ہوں میں

توڑ پھینکوں بندشوں کو کس طرح ماحول کی
اکثریت کو یہاں الجھا ہوا پاتی ہوں میں

ایک شعر

بتوں نے کر دیا اعلان اپنی بت پرستی کا
انہیں یہ کیا خبر تھی صنم خانوں سے الجھیں گے



چراغ دل کے آب آہوں میں جھل بھی سکتے ہیں
 یہی فسانے حقیقت میں ڈھل بھی سکتے ہیں
 یہی ہے اب بھی جو منزل کا عزم مستحکم
 یہ لڑ کھڑا اے قدم پھر سنبھل بھی سکتے ہیں
 ہمارا عزم ہے خود ایک منزل مقصود
 ہجوم یاس میں ارماں نکلی بھی سکتے ہیں
 خزاں نے خاک اڑائی تو ہے چمن میں مگر
 اسی زمین سے گل پھر نکل بھی سکتے ہیں
 وہی ہے دل جو مچل جائے درد انساں سے
 کسی کے ناز پہ یوں دل مچل بھی سکتے ہیں
 خزاں سے پھول اگر منتشر ہوئے کیا غم
 چمن کے خار گلوں میں بدل بھی سکتے ہیں
 نہ جاؤ آج بھی ان حوصلوں کی پستی پر
 کہ جس قدر یہ دے ہیں مچل بھی سکتے ہیں
 وہی ہیں ہر خرو تھیں اب زمانے میں
 جو اونچ نیچ پہ راہوں کی چل بھی سکتے ہیں



صبح کئی ہے شب انتظار باقی ہے
 فنون گردش لیل و نہار باقی ہے
 چمن سے لالہ و نسریں سب ہوئے رخصت
 مرے جہاں میں دل داغ دار باقی ہے
 بھنور نہ کہئے مرے سامنے تو منزل ہے
 بھنور سی اب بھی لب جوئے بار باقی ہے
 کسی کی عارض گلگوں کی بات یہ تو نہیں
 مرے چمن میں خزاں و بہار باقی ہے
 خرد کو ہوش بھی آیا تو کب سے آیا ہے
 نہ پیرہن میں کہیں کوئی تار باقی ہے
 بہار اور خزاں کا چلن ازل سے ہے
 میرے ارادوں سے فصل بہار باقی ہے
 فنا کی راہ میں ہر شے تو مٹ چکی عین
 وہ ایک ساعت دیدار یار باقی ہے



جب بھی معراج ہوئی دہر میں جس عشق کی بات
وہی افسانے وہی دیر و حرم تک پہنچے
محبوک دوں دولت قاروں پہ ابھی تیری قسم
تیرا دامن جو مرے دیدہ غم تک پہنچے
پھر بھی رہتے ہیں جینوں کے تقاضے تشنہ
سجدہ شوق اگر نقش قدم تک پہنچے
ہر وہ غم مجھ کو ہے منظور تری ہی خاطر
بطحہ کے جو تیرا کرم پر سش غم تک پہنچے
ہم نے تو ظلم کیا خیرا شکایت ہی سہی
صورت چارہ گری آپ شتم تک پہنچے

ایک شعر

وارفتگی شوق پہ دل اتنا نہ پھولے
کہد و کہ محبت کا یہ انجام نہیں ہے



مجھے آگیا ہے شعور غم کئی وار دل پہ جو چل گئے
وہ زمین گل بھی بدل گئی وہ سال کے رنگ بدل گئے

وہ نوید صبح دوام ہے نہ ٹوٹے لطف وہ عام ہے
نہیں شکلیں جو سہل ہوئیں نہیں حادثے جو سہل گئے

وہ تھی اک فریب شب الم یہ ہے کیف صبح پیام غم
وہی قربتیں وہی فاصلے وہ بدل گئے ہیں کھل گئے

تجھے کیوں ملال تم ہے میری بات پھر میری بات ہے
جنھیں کچھ خلوص بھی دیدیا وہی میرے نام سے حل گئے

مری صبح صبح الم نہیں مری شام تیغِ دوم نہیں
مے ضبطِ غم کو خلش سی ہے جو تجھے حادثے وہی مل گئے

وہی شورشیں وہی بانگیں کہیں آگہی کہیں بے خودی
کبھی بخرشیں رہی زندگی کبھی حوصلے ہی سنبھل گئے

کبھی سو زبن کے گھل گئے کبھی رنگ بن کے سنور گئے
تری یاد کے قفسے جو مرے مجھے کیسے کیسے میں کھل گئے

مجھے سیل غم نے بہا دیا مجھے ساحلوں نے ڈبو دیا
مہری منزلیں مے زاد راہ مے ہاتھ آکے نکل گئے

وہ حضورؐ کی تلخیاں وہ مزاجِ عشق کے حوصلے
 یہی سوزِ تمغے یہی نغمگی یہی شوقِ بن کے محل گئے

مرے مشت پر میری زندگی مرے زخمِ دل میری بے پری
 یہ کھلا دیئے ہیں چینِ چین وہ خزاں کے رنگ بدل گئے



مرا ہر خواب ہے بخت سکندر!
 مجھے تمثیل ہی کیا جامِ جسم کی

اٹھار کھی ہے ہم نے بات ہر اک
 کہ ان کی بات ہے قول و قسم کی

نہیں پروازِ یہہ تحسین اچھی
 زمانہ دے رہا ہے ہم کو دھمکی



پھر وہی ہیں ہنگامے پھر وہی ہیں شور و سن ان کی شوخ آنکھوں میں اپنے دل کی محفل میں
 کھارہے ہیں موت سے اک فریب مدہوشی جیسے گم ہیں منزل سے ہم قریب منزل میں
 کتنی قدریں مٹتی ہیں اب بھی پہرے دیکھے ہیں، دل کی ہر اک دھڑکن پر تیرے میرے ہونٹوں پر
 اب بھی برکھا آتی ہے اب بھی دو دل ملتے ہیں کوئی مجنوں صحرائیں کوئی ریل کی محفل میں
 ایک دیکھ۔ اک طوفاں اک شعلہ ہے اک آئینہ اک ٹہراؤ اک شورش جسے موجیں ساحل میں
 رقص طوفاں گردش ہے گردش میں ہیں پیمانے کوئی ناداں کیا جانے دنیا کی اس جھل بل میں
 تو اک ساغر تشنہ لب میں ہر چشمہ مستی کا پتی تیرا شیوہ ہے رفعت میری منزل ہے
 میں منزل تو ہیولا میں طوفاں تو بگولہ تو زخم دل میں مرہم تیری میری محفل میں
 ساقی تیری محفل سونی گل کا دامن جھیکا جھیکا شبنم روئے آئینہ جھلکس غم نے جیسے کودت بدلی
 نظم عالم برہم برہم بنفٹ گیتی مہم مہم لب پہ تقسم جھیکا جھیکا اس جہاں اب دگر میں



ترے ابرو کی شکن یاد آئی
شورش رنج و محن یاد آئی

آپ کے لب پہ تبسم پھیلا
صبح کی پہلی کرن یاد آئی

دورِ پیمانہ چلا جب ساقی
پھر مجھے دل کی لگن یاد آئی

وہ غمِ دل کی اندھیری راتیں
وادی کوہ و دمن یاد آئی

نہایت گل سے جو جہکا صحرا
زلف کی مشکِ خشن یاد آئی

جب وفاؤں کو سکتے دیکھا
تیری آنکھوں کی چھن یاد آئی

تم نے جو پھیر لیں آنکھیں مجھ سے
اپنے پاؤں کی تھکن یاد آئی

ان کے ہوتوں پہ وفا کے وعدے
لذتِ کام و دہن یاد آئی

زلفِ مستی کبھی سلجھی تھیں
زلفِ گیتی کی شکن یاد آئی



ہے یہ تہ تاکید انھیں غور سے دیکھانہ کریں
جذب طوفان کریں عرض تمنا نہ کریں

کیا یہ مقصد نہیں جذبات سے کھلیں ان کا
پاس الفت بھی نہیں اور کنارہ نہ کریں

کیوں وہ دانستہ لگا ہوں سے ہیں مکرانے فری
خود تماشا نہ ہوں اور محو تماشا نہ کریں

خوف رسوائی الفت ارے توبہ ! تو یہ !
دھڑکنیں دل کی تمناؤں پہ بھی دانہ کریں

گلشن عشق ازا، سے ہے اجڑتے دیکھ
خوف والے کبھی اس بزم میں سودا نہ کریں

مرنے والوں کو ہے جینے کی تمنا باقی

ہے یہ اصرار غریبوں کو پریشاں نہ کریں



جلے جو داغ تو سرو سخن کی یاد آئی
 خزاں کے دور میں لطف چمن کی پار آئی
 تیرے خیال کو کعبہ بنا لیا ہم نے
 جہاں قیادت شعر و سخن کی یاد آئی
 سجاوٹوں میں اسی بانگین کی یاد آئی
 اسی بہار اسی انجمن کی یاد آئی
 وہ آپ بھول گئے رہ گزار دلِ تحسین
 ہمیں فریبِ نظر راہ زن کی یاد آئی

تین شعر

ایسے جلے کہ رشتہ دل ہے ہیں ہم
 یوں تو چراغِ کشتہ محفل ہے ہیں ہم

وہ احتیاط ضبطِ غم دل کو کیا کہیں

موجوں کے اضطراب میں مل رہے ہیں ہم

ویسے غبارِ جاوہِ منزل ہیں آج ہم
 کل تک نشہِ غفلت منزل رہے ہیں ہم



نئی بہار پہ اس طرح چھا رہے ہیں ہم

زمانے بھر کی نظر کو جھکا رہے ہیں ہم
حکایتِ گل و گلچیں کو بھول جانا ہے

نئے قانون کے عنوان بنا رہے ہیں ہم

کلی و غنچہ و گل پر ہی اک نہیں موقوف

حصولِ فار سے گلشنِ سجا رہے ہیں ہم

وہ ایک بات مسادات اور یکجہتی

وہ ایک بات جو سب کو تیار ہے ہیں ہم

پیامِ جہر و محبتِ پیامِ امن و وفا

پیامِ حسنِ مسرت سار ہے ہیں ہم

بلندیوں پہ ہے انسان کا عروج و کمال

ظلاؤ کی وسعتوں میں گھر بنا رہے ہیں ہم

دلوں سے نفرت و بیگانگی مٹا دیں گے

چراغِ جشنِ محبت چلا رہے ہیں ہم

شکستِ دیدہ و دل کے نہیں رہے ہر دن

عروجِ شوق کی منزل کو پار ہے ہیں ہم



اب زندگی سے ہر طرح گھبرا رہی ہوں میں
دریائے رنج و غم میں بہی جا رہی ہوں میں

شکوہ ترے ستم کا نہیں ہے ستم شعرا
بد قسمتی سے اپنی یہہ دکھ پا رہی ہوں میں

قیمت کی ترشروٹی کا کس سے گلہ کروں
خود اپنے غم کو آپ ہی اپنا رہی ہوں میں

غم دور روزہ یوں بھی گزر جائے گی تمام
دل کو کچھ اس طرح سے بھی سمجھا رہی ہوں میں

یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ باد فانی نہیں
بھیر بھی کسی کی یاد کو گم مار رہی ہوں میں

جب بے رخی میں اس کی اضافہ ہے رات دن
عکسین کو کس توقع پہ سمجھا رہی ہوں میں



قصہ فریاد نہیں شکوہ بیداد نہیں
دل برباد تو ہوں پر دل ناشاد نہیں

اپنی روداد سنانے کو ہم آئے تھے یہاں
مخفام کر دل کو جو بیٹھے تو کچھ یاد نہیں

ہم یہ انداز تغافل کے کئی وار کئے
بھریہ کہتے ہیں کہ ہم تو کوئی حبلانی نہیں

کیوں نہ میں جذب محبت کا تقاضہ سمجھوں
گر پرے مجھ پہ کچھ افتاد تو افتاد نہیں

دل غمگین کو یہ کہہ کہہ کے منایا تحسین
ان کے پہلو میں بھی دل ہے کوئی فولا نہیں

ایک شعر

تھکاوٹ بھی نہیں ہے آبلہ پانی کا امکاں بھی
مسل چل رہوں دوری منزل کو کیا کہئے



حال دل کیا کہوں بیاباں اپنا
درد انگیز یہ کہانی ہے

ہوں اسیری میں مبتلائے غم
یہی انداز کا مرانی ہے

کہیں مرنا بھی اختیار ہے
کشمکش میں یہ زندگی ہے

چشم گریباں نہ ہو تو یوں گریباں
کام اتیرا تو راز دانی ہے

کیا خبر کلی کی آج جیتے ہیں
زندگی کب یہ جاودانی ہے

آج زندہ جو خود کو پاتے ہیں
یادِ جاناں کی مہر بانی ہے

توڑ کر بند اس سلاسل کے
اپنی تقدیر خود بنانی ہے

بچ کے جائیں بھی تو کہاں جائیں
جو بلا ہے سونا گہاں ہے

کس کو تاب شنید ہے اے دل
زندگی غم کی اک کہانی ہے

نہ رہا وہ نہ یہ رہے حسین
یہ اسیری بھی دیکھ فانی ہے



وہ نقشِ وفا ہم سے مٹائے نہیں جلتے
آئینہِ ادراک پہ کچھ گردِ جی ہے

تم ساتھ چلو وقت کے ہے مصلحتِ وقت
یہ وقت کی رفتار کے لگی نہ رُکی ہے

جلتا ہوا لگتا ہے مجھے اپنا ہراپا
دامانِ محبت میں کہیں آگ لگی ہے

اشکوں سے بجھاؤ گے تو کچھ اور بڑھے گی
یہ دل کی لگی ہے کہیں ایسے بھی بجھی ہے

پیتا نہیں آتا جنھیں مل جاتا ہے ساغر
ساتی ترے میخانے کی یہ رسم رہی ہے

تھا درد کا رشتہ جو کسی دل سے ہے باقی
ٹوٹی ہوئی ہر شاخ ابھی تک بھی پری ہے

وہ رست ہے نہ برسات نہ سادوں کی گھٹا ہے
لیکن دل دیوانہ کا انداز وہی ہے

ستے ہیں کہ پیمان ہوئے تو ہیں سحر سے
امید کا عالم ہے قیامت کی گھڑی ہے

کچھ دہرا بھی دور کہ ہے سجدہ گہ شوق
خستہ وہ اس موڑ پر قافل کی گلی ہے

ایک شعر

یاد کیوں آئیں گے ہم جبکہ محبت ہی نہ ہو
خون کیوں کہئے اسے جس میں کہ رنگت ہی نہ ہو



چارہ گر موت ہوئی جاتی ہے میرے غم کی
 زندگی تجھ سے تو جینے کا تقاضہ نہ ہوا
 چلو اچھا ہوا رسوائے جہاں ہم ہی ہوئے
 کوئی رشتہ کوئی جذبہ یہاں رسوائہ ہوا
 کیا خدائی کو خبر ہے کہ خدا جانتا ہے
 آج گھر میں پس پردہ مرے کیا کیا نہ ہوا
 بک گئے مصر کے بازار میں یوسف سے حسین
 پھر بھی کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ متا شا نہ ہوا
 سب ہی ایسے ملے ڈرے کو سواریں جیسے
 دل بیمار کا کوئی بھی مسیحا نہ ہوا
 زندگی یوں بھی لگی پیختے جنگل جیسے
 کوئی جذبہ کبھی ہم رنگ تما نہ ہوا
 یوں کھڑے ہیں مرے مرقد پہ وہ ناوم ناوم
 ظلم کا ان کے کہیں جیسے کہ چرچا نہ ہوا
 یوں جیسے لو کے تھپڑوں میں دیا ہو جیسے
 کوئی جذبہ کبھی ہم رنگ تما نہ ہوا



چاک گلشن میں ابھی تک بھی ہے میرا داماں
 تیری آنکھوں سے ابھی تک ہیں وہی اشک رواں
 ہر خوشی آج بھی لگتی ہے گراں اور گراں
 درد کی آج بھی ہر موڑ پہ ملتی ہے دوکلاں
 زندگی سایہ ادبار سے بوجھل بوجھل
 دور تک زندگی تیتی ہوئی آہوں کا دھواں
 دور تک دست تمنا میں ہے پرہوں سکوت
 کوئی آواز نہ دستک نہ ہی قدموں کے نشاں
 شب کی پلکوں پہ لڑتے ہوئے خوابوں کے محل
 یہہ دل و جاں سے اٹھتا ہوا بے رنگ دھواں
 دل تو ہر حال میں ویرانہ سا ویرانہ ہے
 اب و باقی نہیں تکرار بہار اور خزاں
 مجھ کو ملتا ہے سکوں گوشہ تنہائی میں
 دعوت مہ و طرب دیتے ہیں ارباب زماں



پھول کو زندگی گلشن کو حرارت مل جائے
تیرے شیشے میں کہاں ہے وہ امبی رطل گراں

کتنا بیگانہ آداب ہے گلشن کا چلن
کتنا سفاک ہے بے رحم ہے قاتل ہے جہاں

مشورے لاکھ سہی زندہ حقائق کے لئے
میری تجنیس کی پر واز کا عالم ہے جواں

یوں تو ہر شے ہے میسر مرے مالک لیکن
اک سکون ڈھونڈنے جاؤں تری دنیا میں کہاں

میں نے ہر ایک سے بے لوث محبت کی ہے
مجھ کو معلوم نہیں رنگِ زرد و زیاں

گردِشِ وقت میں ہم یوں بھی بہل جاتے ہیں
زندگی آج بھی پانی ہے سراپوں میں اباں

کتنے شفاف ہیں احباب کے چہرے میرے
پارسی کا حقیقہ دیکھتے ہوئے گماں

کتنا ناپید ہے رشتوں کا حسین شیشِ محل
یہ نہ رہتا ہے نہ راہی نہ ہی منزل کا نشان

کاش یہ میری توجہ کا ہو مرکزِ تخیل
شب کے آنکھ میں دیکھتے ہوئے تاروں کا جہاں



ہر روز ہم پہ ایک قیامت گذر گئی
 یہ زندگی ہماری تو بے موت مر گئی
 ہم چل پڑے تھے حوصلہ دل کے ساتھ ساتھ
 اس حوصلے کی بات بھی جانے کدھر گئی
 رنگت کلی کی پھول کی خوشبو چین کی بات
 سب تھے اداس جن پہ ہماری نظر گئی
 ان سے ملیں کہ بات کریں مدعا کہیں
 اس کشمکش میں لذت شام و سحر گئی
 اب ایک کما ہے ان کے کرم و تتم کی بات
 اچھا ہوا کہ شورش درد جگر گئی
 ان کے حضور اپنی زباں کھل نہیں سکی
 اک جنبش نگاہ کہ سو کام کر گئی
 مافی کی سلگی سلگی سی یادوں کے درمیان
 اک عمر جاوداں ہے کہ جیسے بڑھ گئی
 ہم تجھ سے دور ہو کے رہے ہیں قریب تر
 ہر راستے سے ہر کے تری رہ گزر گئی
 تختیں ہر آج بھی صحرانورد ہیں نادیدہ فضل گل بہیں دیوانہ کر گئی



شکر امروز کریں شکوہ فردا نہ کریں
 اپنی خوشیوں کا غموں سے کبھی سوا نہ کریں
 کوئی عیسیٰ ہی نہیں آج مسیحائی کو
 وہ مسیحا ہیں اگر غنیم کا مداوا نہ کریں
 خاک کر دیتی ہے احساس کی شدت بھی کبھی
 جذبہ شوق کو ہر نگ تمنا نہ کریں
 لب اعجاز میں رہنے دیں دعاؤں کو ابھی
 اٹھ اٹھیں بھی تو ہم بات کا چرچا نہ کریں
 دیپ جلتے رہے تحسین سیہ فانوں میں
 کون کہتا ہے ستاروں سے وہ نکلا نہ کریں

ایک شعر

قتل بھی ہم کو کیا اس پہ جفا بھی دیکھو
 خون ہاتھوں پہ مرے مل کے حنا کہتے ہیں



کبھی گرما کبھی سہرا کبھی برسات کا عالم
دل لہجاتا ہی نہیں اب تو کسی بات کا عالم

وحشت چھین ہی لیتی ہیں شعور ہستی
محیر ڈراتا ہے شب غم میں یہ رات کا عالم

زخم دل اور ابھرتے ہیں تری بات کے ساتھ
یوں تو بھولا ہی نہیں مجھ کو ترے ساتھ کا عالم

یہ کرم خوردہ رستی یہ شاب و حشت
یہ طوالت یہ تسلسل یہ خیالات کا عالم

چشم غم میں بھی تبسم کے دے جلتے ہیں
کیا کہیں تم سے بدلتے ہوئے حالات کا عالم

دل بے تاب کو احساس سکون دیتا ہے
 تجھ سے تجدید و فاتحہ سے ملاقات کا عالم

روز تادیب میں فرصت میں گذر جاتی ہے
 پھر سوالات و جوابات و سوالات کا عالم

لاح رکھئے کہ خدا را مری خود داری کی
 کاش تو دیکھ سکے میری مناجات کا عالم

روز چھلنی ہے جگر سینہ بریاں کی قسم
 زندگی بوجھ ہے جیسے کہ خرافات کا عالم

وہ جو تحسین ہے اس کی وہی سرشاری ہے
 آپ کیوں پوچھتے ہیں رند خرابات کا عالم



ہے کوئی غنچہ دہن یا کہ ہے اک پھول حسین
جسکی اس صحن چین میں کوئی تمشیل نہیں

اتنے بت دل نے تراشے بت آذر کی قسم
ذہن آذر میں بھی جس کی کوئی تشکیل نہیں

ہے بہاروں میں خزاں شرح چین کیا کہئے
خواب تو خواب ہے جس کی کوئی تمشیل نہیں

اک وجود غم تنہا ہیں چین میں اب بھی
اپنے افسانے کی کچھ اور تو تفصیل نہیں

اعتراف دل پر خون کی پذیرائی کو
آپ آنکھوں میں ہیں دل میں سرے تحلیل نہیں

آپ کے لب پہ ہو گویا مکرر کی طرح
آپ مجبور نہیں یہ کوئی تمشیل نہیں

آپ بھونکوں سے بچھانے کی نہ کوشش کیجئے
میری مٹھی میں سحر ہے کوئی قندیل نہیں

مجھ کو ہر بار صدا دی تو ہے یہ بطف کیا
میری خوش بختی نہیں آپ کی تذلیل نہیں



آنکھوں میں ہیں آنسو مری فریاد نہیں ہے
کیا تم نے دیا مجھ کو مجھے یاد نہیں ہے

اب عشق نے یکھا ہے سنبھلنے کا سلیقہ
اب درد بھی مست کش ہے داد نہیں ہے

اڑنے کی اجازت ہے کہ در بند قفس ہے
اب نزد نشیمن کوئی صیاد نہیں ہے

آباد ہے غمخاناہ مہستی کا خرابہ
بر باد تمنا ابھی برباد نہیں ہے

پھولوں کے عوصن ملتے رہے سینکڑوں پتھر
افتاد مرے واسطے افتاد نہیں ہے



اور بھی بگڑے رہے ان کو جو سمجھانے گئے
دور تک بگڑی ہوئی قسمت کے افسانے گئے

چھاؤں ہو تیری گھنی یا چلچلاتی دھوپ ہو
ساتھ ساتھ اے زندگی یہ تیرے دیوانے گئے

کفر تھا لیکن جبین شوق جھپکتی ہی گئی
سجدہ گاہ شوق سمجھے تھے وہ بت خانے گئے

ہم نہ سمجھے تھے نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے کبھی
موقع آیا تو ایسے لوگ پہچانے گئے

شورشِ مستی سے گھبرا کر خرد کی راہ میں
اک تمنائے فنوں سے کتنے دیرانے گئے



دیدہ نم میں ترے روز ہی پیکر اترے
میری آنکھوں میں ترے خواب کہ شب بھر اترے

زخم منتے رہے اک دیدہ نم کی خاطر
کچھ ستارے مری محفل میں برابر اترے

کس تمنا سے تجھے دل میں چھپا رکھا ہے
کتنے لمحے تری خوشبو سے معطر اترے

ترے رنگین خیالوں کی اگر یاد آئی
یوں لگے ہے مجھے دامن میں گل تر اترے

یوں اترتا رہا آنکھوں میں تمنا کا شباب
اپنے ہی سایے تلے جیسے صنوبر اترے

ید بیضی ہے نہ عیسیٰ نفسی رکھتے ہیں
دل محصوم میں تحسین پیہر اترے



تم سے یہ کس نے کہا تم سا نہیں ہے کوئی
کس لئے غم کو مگر زعم خود آرائی ہے

ہم نہیں کہتے کہ تم نے اسے گمراہ کیا
دل تو ہر حال میں سودائی سا سودائی ہے

بات اتنی سی ہے کچھ دور چلے ہوں مگر
ہم نے کب تم سے محبت کی قسم کھائی ہے

درد بڑھتا ہی گیا آپ کے بیماروں کا
بندہ پرور یہ کہیں کیسی مسیحائی ہے

چارہ گر تو تو نہ کمر سعی کرم کی زحمت
بعد مدت کے مرے لب پہ منی آئی ہے

صرف اتنا ہی نہیں جام نہ چھلکے تحسین
نکبت گل بھی کہاں اب کے صبا لالی ہے



درد دل میں مرے سلامت ہے
 زندگی درد کی امانت ہے
 شام والبتہ سحر ہی سہی
 یہہ سحر بھی تو اک قیامت ہے
 یوں بھی گزرے حیات کے لمحے
 جیسے اک عمر ایک ساعت ہے
 ان کو مانے کوئی کہ نہ مانے
 ان کے قدموں میں ایک جنت ہے
 کوہن ہو کہ قیس کا قصہ
 ہائے کیا چیند یہہ محبت ہے
 ہم تو غم سے تباہ کرتے ہیں
 نہ سکوں ہو تو کیا قیامت ہے
 آپ تحسین کو دیکھ لیں اگر
 آج کچھ غمیر اس کی حالت ہے



یہہ ہوتا رہا ہے یہہ ہوتا رہے گا
قیامت اٹھائیں قیامت کے مارے

سفینے کو ساحل نے بڑھکھرا تا را
کہ منزل نے خود ہی کٹے ہیں اشارے

یہہ دو چار دن عارضی زندگی کے
کوئی کب تلک زلف ہستی سنوارے

بہار آگئی جب لشیمن ہی چھوٹا
کہ کتنے سدھارے شب غم کے مارے

ارادوں نے راہوں میں دیکھ چلے
وہ ساحل نے کتنے سفینے اتارے

خزاؤں میں گلشن بہاراں مٹھا را
بہاروں کے سایے بہارے تمہارے

خوشی کی خوشی ہے نہ غم کا مجھے غم
کبھی ہم ہی جیتے کبھی ہم ہی مارے



کیسی عجیب جذب کی صورت ہے زندگی
منجملہ آج ایک حقیقت ہے زندگی

وہ دن گئے کہ زخم غم دل تھی کائنات
اب از تکاب جرم کی فطرت ہے زندگی

ورد زبان وہ نام اسی آستان کی یاد
کتنی حسین میری عبادت ہے زندگی

کل تک ستم کے نام سے وہ آشنا تھے
اب سربہ سہری ان کی عنایت ہے زندگی

نبیلام ہو رہی ہے شرافت کے نام پر
چھر بھی حسین لفظ شرافت ہے زندگی

ہم چل رہے ہیں کس کے اشاروں کے ساتھ ساتھ
انجان رہ میں کس کی قیادت ہے زندگی

تو حسین دل ہے اپنا نہ جاں اپنی جان ہے
لگتا ہے جیسے ان کی امانت ہے زندگی



نظاراء چمن بھی ہوا دل پہ بار کیوں ؟
وحشت چمن میں پھرتی ہے دیوانہ وار کیوں ؟

نعنے کا حسن فن کا تقدس دلوں کا درد
نیلام ہو رہے ہیں سر ہلکار کیوں ؟

واقف نہیں ہیں اب بھی بہار و خزاں سے ہم
وہ دے رہے ہیں ہم کو فریب بہار کیوں

شاید کہ لٹ رہا ہے کوئی کاروانِ شوق
آہستہ چل رہی ہے نسیم بہار کیوں

ہم کو کشاں کشاں لئے جاتا ہے دل کدھر
مت پوچھئے کہ وہ ہیں وجہ افتخار کیوں

خود داریوں کی موت ہے بنیادِ زندگی
شعلہ فشاں ہے بلبیلِ صوتِ ہزار کیوں

چہرے اداس لب پہ نغاں اور سرد آہ
ہم تشنہ لب کھڑے ہیں لب جو تبار کیوں

طوفانِ انبساط ہے یا ہے کمالِ شوق
سامانِ جشن ہے مجھے دیدارِ یار کیوں

تحسینِ عزمِ قافلہٗ باسباں ہو تم
کہتے ہیں لوگ غم کو فروغِ بہار کیوں



کریم یاد آیا ستم یاد آیا
مجھے پھر وہ بیت الصنم یاد آیا

جہاں میں نے دیکھا سفالی پیالہ
وہ جمشید کا جامِ حمم یاد آیا

چٹک کر جو دی آبلوں نے دہائی
مجھے اہل دنیا کا غم یاد آیا

وہ رہبر وہ رہبر وہ منزل وہ جادہ
جنوں پیر ہن ہر قدم یاد آیا

تجھے دل کے آئینہ فلنے میں ڈھونڈا
اگر شیخ جی کو حرم یاد آیا



عنایت کے صدقے طوالت جنوں کی
بہت مختصر چارہ گر ہو گئی ہے

شب غم کی کیا یہ سحر ہو گئی ہے
کہ روداد غم مختصر ہو گئی ہے

بحر اشک لاؤں بھی کیا میں نذر کو
ہر اک شے تمہاری نذر ہو گئی ہے

مصر میں نہی وہ قیامت اٹھانے
ادھر آنکھ بھی دیدہ ور ہو گئی ہے



حسین نظارے ہیں پر کیف ہے حسین موسم
گلوں کو چومتی پھرتی ہے ہر طرف شبنم

دلوں کے داغ ہیں پوشیدہ راز دل کی طرح
کئی فسانے دلوں میں ہیں آج بھی مبہم

ہو جیسے سایہ ادبار میں خوشی کی کرن
کسی کی یاد بھی آئی ہے دل میں یوں کم کم

ہزار بار سراہوں کو زندگی جانا
ہمیشہ ٹوٹے ہیں جھوٹی عنایتوں کے بھرم

ہماری آنکھ میں آنسو ہیں نو دمیدہ سے
کہ جیسے دامن دل میں ہوں قطرہ شبنم

سکون دہریں مجھ کو ملانہ دیر و حرم
خدا تراش لیا تھا کہ بن گیا ہے صنم

خوشی کی راہ میں آنسو لایے حسین
مگر ہوئے ہیں زمانے کے نت نئے ہی ستم



میں نقیبِ زندگی ہوں کس طرح خاموش ہوں
دعوتِ بے چارگی دیتے ہیں آب و گل مجھے

کل سینے کا بھنور میں ڈوبنا ممکن نہ تھا
آج طوفاں نے ڈبوایا ہے لبِ ساحل مجھے

مٹ رہی ہے زندگی اب بھی نہ عنوانِ حیات
تو فریبِ شوق دیتا جا فریبِ دل مجھے

مہربان جب تم نہ تھے تو ہر نظر بے گناہ نہ تھی
میرے غم میں ہر نظر آتی ہے اب شامل مجھے

جب مجھے ماحول کا احساس ہی جاتا رہا
نے اڑا افلاک پر ہر دعویٰ باطل مجھے



حریم ناز کے پردے اٹھا کے پچھتاؤے
ہم ان سے آج نگاہیں ملا کے پچھتاؤے

ہزار بار عذائم پہ ناز تھا ہم کو
ہم اپنے ہاتھ دعا کو اٹھا پچھتاؤے!

وطن میں دشت میں غربت میں پہلوئے گل میں
غریب کانٹوں سے دامن بچا کے پچھتا

چھلک گئے ہیں خوشی میں نظر کے پیما نے
تیرے بغیر کبھی مسکرا کے پچھتاؤے!



سب راہیں محبت کی مٹانے کے لئے ہیں
آنے کے لئے ہیں نہ یہ جانے کے لئے ہیں

محبوس تمنائیں ہیں مغفور ارادے
لغے مرے ہونٹوں پہ نہ آنے کے لئے ہیں

آنکھوں میں سرشام سے اٹھ ہوئے آنسو
سلگی ہوئی یادوں کو بجھانے کے لئے ہیں

وہ ربط دل و جان کی سوچیں وہ دہائی
خوابوں میں ذرا ان کو بلانے کے لئے ہیں



لوگ کہتے تھے مجھے ہوں شاعر شیریں بیاں
رہبرِ بزمِ ادب کی رہنمائی چھین لی

واعظِ پیرِ حرم نے ہی مجھے رسوا کیا
حضرت واعظ نے جیسے پارسائی چھین لی

باپ کی آنکھوں کی جیوتی باپ کے دل کا سرور
ماں کی امیدوں کا بچپن نوجوانی چھین لی

تہقہہ مینا کا جیسے جیسے قفل کی صدا
سینہ دریا سے موجوں کی روانی چھین لی

دوست رنجیدہ ہوئے دشمن بنے کیا کیا ہوا
آپ نے تقدیر کی ہر اک کہانی چھین لی

یہ مذاقِ آدمیت جائے عبرت کہو
ہم سے اپنوں نے ہماری زندگانی چھین لی

بن گیا ہر اک ستم اس کا مقدر مستقل
صورت گریہ کیا اور بے نیازی چھین لی

حسن کی ہر اک ادا کو غیب میں بدلا گیا
دی گئی ہر اک ندامت بے نیازی چھین لی

زلفیں مٹیالی ہوئیں آنکھوں کی تابیانی گئی
خوگر غم کر دیا اور بے نیازی چھین لی

بے کلی بے تابیاں بے خوابیاں کیا کیا ملیں
سہ رنگوں سا کر دیا اور سرفرازی چھین لی

حال کو ماضی کو مستقبل کو کچل کر رکھ دیا
ہر وجود مستقل کی ہر نشانی چھین لی

فاتحہ پڑھ لی بہن نے بھائی بے گانہ ہوا
آہ ہونٹوں کو ملی جو بے نیازی چھین لی

ہر گلی میں شہر میں بازار میں رسوا کیا
حد تو یہ ہے بے زبیاں سے بے زبانی چھین لی



لالہ دُکُل کے جو سامان بہم ہو جاتے
فاصلے دشت و چمن زار میں کم ہو جاتے

درد ہے جن میں نہ ہے جن میں دوا کی تاثیر
کاش وہ بیت ہی کہیں اپنے صنم ہو جاتے

تم نے تو خیر نبھائی نہ محبت کی بات
کاش کہ آپ ہی پابند بھرم ہو جاتے

دیکھئے کس کو مٹا تلے زمانہ آخر
ہم اگر وقف روایات ستم ہو جاتے

یہ نہ سمجھو کہ تصور سے ہے دنیا روشن
لفش سجدہ ہی مرے دیر و حرم ہو جاتے

ہم نے امرت میں بجھلے ہیں زہر کے نشتر
ورنہ افسانے غم ہستی کے ستم ہو جاتے

چشمک برق سے کھیلے ہیں شمعین کی قسم
ورنہ عنوان وفا آج نہ ہم ہو جاتے



اکیلا قیس رہا جذب کیونکہ تنہا
زمانے بیتے محبت کا ہے چلن تنہا

میں انجمن میں ہوں پھر بھی مجھے یہ لگتا ہے
میں انجمن سے الگ ہوں کہ انجمن تنہا

کہاں کہاں نہ کی ان کی جستجو میں نے
ہر ایک راہ سے لڑی ہوں پھر بھی تن تنہا

نیا مذاق نئی زندگی بنا لیا
پڑا ہے عظمتِ رفتہ کا پیرہن تنہا

بہتر نیا رنگے تنگبلی نا زہی کب ہے
ملا سیات کو کیوں مسیری بانگین تنہا

بہار آئی ہے ہر سو مگر یہ لگتا ہے
کلی کلی ہے سرورہ چمن چمن تنہا

وہ دیکھ دے یہ تصدیق ہے شعر کی عظمت
یقیناً کہ ہے شاعر کا فکر و فن تنہا



وہ رشکِ طر نہیں ہے دمن دمن کوئی
ہمارے سامنے اونج سکذری تو نہیں

وہ اک چمکتی ہوئی شے وہ اک فریبِ نظر
جول بھی جائے ہمیں وہ بیمیری تو نہیں

تصورات نے کتنے صنم تراشے ہیں
صنم کدے میں مرے نقشِ آذری تو نہیں

کبھی ملو تو فوازیں گے اک — تبسم سے
حضور آپ کی یہ بندہ پوری تو نہیں

عروِج فن کو نوازا ہے لپٹیوں نے مری
کمالِ ذوق ہے تحسینِ شاعری تو نہیں



جب کوئی پاس نہیں رات کے سناٹوں میں
کس کی تصویر سے ہم بات کیا کرتے ہیں

کوئی بتلا دے یہہ پھولوں کے طلب گاروں سے
صورتِ خاریہاں ہم بھی رہا کرتے ہیں

کیا ملا ہم کو زمانے سے وٹاؤں کا صلہ
زہرِ غم ملتا ہے ہر روز پیا کرتے ہیں

وہ چراغِ حرم و دیر ہے اپنی ہستی
صبح جلتے ہیں سہرِ شام جلا کرتے ہیں

خونِ دل خونِ جگر خونِ تمنا ہی سہی
اپنے ہاتھوں میں بھی یوں جام ہوا کرتے ہیں



قرارِ عالمِ امکاں لئے یہہ کون آیا
پیامِ صبحِ درخشاں لئے یہہ کون آیا

کرم کی تیرے حقیقت نوازیوں کی قسم
بہارِ زلیست کا سماں لئے یہہ کون آیا

خمارِ نورِ عقیدت سجا کے آنکھوں میں
گدازِ لذتِ پہناں لئے یہہ کون آیا

یہ کس نے چھیڑ دیا میرے بربطِ غم کو
ہجومِ شوق کا طوفان لئے یہہ کون آیا



جذیہ ہوش ہوا ہے کہیں رسوا تو نہیں
خود میری بزم میں محوِ تماشا تو نہیں

کدو دیوانوں سے وہ عشق کو رسوا نہ کریں
کوئی ہلکی سی خلش زخمِ تمنا تو نہیں

منزلیں گرد کی مانند اڑی آئیں گی
غمِ امروز ہمیں یہ غمِ فردا تو نہیں

چاک دامنِ نظر چاک ہے دامنِ کون
زخمِ دل کا یہ میرے کوئی مدا تو نہیں

ایک دنیا ہے حسین اور حسین
محفِلِ شوق سہی بزمِ تمنا تو نہیں

دل ہمارا ہے جو مل جلے کسی کے دل سے
کوئی کعبہ یہ نہیں کوئی کلیسا تو نہیں

جو مٹا اور مٹا اور مٹا ہے حسین
گلشنِ عشق میں یہ رسمِ تمنا تو نہیں



نامہ لونی ہے ان کا نہ اپنی جز گئی
 اکثر صبا اگر چہ ادم سے ادم گئی
 یوں بھی لگا ہے ہر وجہ کی بات پر
 تسکین کے بعد لذت درد جگر گئی
 مانوس اس قدر ہیں قفس سے قفس فیض
 چھوٹیں تو کہدیں آرزوئے بال و پر گئی
 جب تک جہاں میں تیرو غالب شناس ہیں
 کہتا ہے کون قیمت اہل ہنر گئی
 ہم بے خودی میں اپنی جھکاتے رہے جس
 کس کو پتہ کہاں پہ تری رہ گذر گئی
 ہم تجھ سے دور ہو کے رہے ہیں قریب تر
 ہر راستے سے ہو کے تری رہ گذر گئی
 ہر بار ان پہ ختم ہوئی ہے ستم کی بات
 تہمت تو ہے ہی سردل آشفہ سر گئی
 راہوں پہ اب بھی آبلہ پایاں دشت ہیں
 یاراں تیز گام کی منزل کدھر گئی

ہم روشناس کیوں ہوئے اس ماثلاً سے
 تحسین آبرو سے دلِ معتبر گئی



خوشا اے دورِ حقیقت کہ مگر ہی کم ہے
خوشا نصیب کہ ہنگامِ خسروی کم ہے

غمِ حیاتِ فزوں تر ہے اور خوشی کم ہے
کٹھن ہے مرحلہٴ شوقِ آگہی کم ہے

یہ کمی بزمِ چراغاں ہے روشنی کم ہے
بڑھاؤ شمع کی نو تم کہ زندگی کم ہے

ابھی تو راگِ بکھرے ہیں مطربِ نو نے
نظر میں شوقِ تبسم ہے اور غمی کم ہے

تراپِ تراپ کے ابھی بکھ رہے ہیں غم کے چراغ
رخِ حیات پہ اندازِ بہر ہی کم ہے

چھلک رہے ہیں نئے جامِ دستِ ساقی میں
اٹھاؤ بادہ و ساغر کہ تشنگی کم ہے

بڑھاؤ اور بھی آئینِ دردِ سوزی کو
کہ زندگانی کا احساسِ زندگی کم ہے



نمازِ محبت ادا ہو رہی ہے
سر بے نیازی کو خم دیکھتے ہیں

لئے وردِ تسبیح یہ کہتے رہے وہ
نہیں کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں

بڑھی ہیں وفاؤں کی قربانیاں کچھ
جہاں ان کے دامن کو غم دیکھتے ہیں

چٹانوں کو آشوبِ موجِ بلا کی
وہ ساحل کو شابتِ قدم دیکھتے ہیں

کہاں آکے بھڑی ہے چشمِ بصیرت
نہ وہ دیکھتے ہیں نہ ہم دیکھتے ہیں

نہ کعبہ نظر میں نہ اپنی حرم ہے
عبادت کو نقشِ قدم دیکھتے ہیں

وہ ظالم نہیں ہیں ذرا خود غرض ہیں
میرے دل کے زخموں کو کم دیکھتے ہیں

سلامت سرورِ نیازان کو تحسین
ہم آنکھوں میں اعجازِ رم دیکھتے ہیں



لب پہ شکوہ بھی نہیں حرف تمنا بھی نہیں
بھول جاؤں میں نہیں دل کو گوارہ بھی نہیں

میری کشتی کو ڈبو دے کوئی آساں بھی نہیں
کوئی منزل پہ بلائے وہ اشارہ بھی نہیں

غم مٹا دیتے جو تکمیل تمنا ہوتی
میری دنیا کو جہاں تم نے سنوار بھی نہیں

رقص بسمل ہے کہ ہر لمحہ سسکتی ہے حیات
صبح امید کہیں ایسا ستارہ بھی نہیں

کیوں مٹوں ویسے تو مٹ جاتے ہیں مٹنے والے
دل کے ہاتھوں مجھے مٹ جانا گوارہ بھی نہیں

دل گلتاں بھی نہیں دل مرا صحرا بھی نہیں
کوئی کھیت یہ نہیں کوئی کلیسا یہ نہیں

تم نے نفرت سے بھی مجھ کو نہیں دیکھا ہے کبھی
اور چاہا ہو کبھی تم نے تو ایسا بھی نہیں

تم بھی محسوس کرو میں بھی ہوں جمنوں کرم
میری آنکھوں میں کوئی ایسا تقاضہ بھی نہیں

تنگ ہو تم بھی مرے دیدہ پر تم سے بہت
میں بھی بے زار کہ یہ صورت گریہ بھی نہیں

خیز تم نے کبھی چاہا تو نہیں ہے لیکن ا
تم کو اپنا میں کہوں مجھ کو یہ سودا بھی نہیں

عورتوں کے سال پیر محفل خواتین کی فرمائش پر

کل ہو گا تمہارا جب اب راج سہارا ہے
یہہ تخت ہمارا ہے یہہ تاج ہمارا ہے

ہر کام کریں گے ہم تم کہہ نہ سکو گئے یہہ
چھلنی یہہ تمہاری ہے یہہ چھلج تمہارا ہے

چوٹی پہ ہمالہ کی جھڑ میں تاروں کی

رقاصہ خلا کی ہم یہہ چاند سہارا ہے

کر سئی وزارت پر کر سئی عدالت پر

ہم ارض و سما پر ہیں انصاف ہمارا ہے

طوفان میں سمندر میں موجوں کے طلاطم میں

کشتی کے لئے اپنی ہر موج کٹا رہا ہے

ہم رحم محسم ہیں زخموں کا مداوا ہیں

گلشن کے نگہبان ہیں گلشن کو ستوا رہا ہے

غینچوں کا تبسم میں کلیوں کی چٹک ہم ہیں

مضرب ہیں نغمہ میں ہر لڑیہ ہمارا ہے

افسانہ غیرت میں تجدید و فنا میں ہم
ہیں وجہ سکونِ دل شیوہ یہ ہم ہمارا ہے

بچوں کے لئے تمنا میں آپ کی غیرت ہم
صدیوں سے کیوں ہیں ہم یہ گھر جو تمہارا ہے

رادھا میں زلیخا میں سیتا میں کہیں مریم
ہم وقت کی بیٹی ہیں ہر دور ہم ہمارا ہے

اندرا ہو کہ رقص ہو یا جھکائی کی رانی ہو
ہر شہد ہمارا ہے ہر نام تمہارا ہے

اورنگِ سلیمان میں اغمازِ مسیحا میں
آئینہ میں فطرت کا جو عکس ہے پیارا ہے

ہم شامِ اودھ کی ہیں ہم صبحِ بنارس بھی
کاشی ہو کہ کعبہ ہو سنار ہمارا ہے

تہذیب کا ورثہ میں فرقوں کا تمدن میں
تحسینِ محترم ہیں یہہ دیش ہمارا ہے

ایک شعر

رو داد محبت ہیں نہ اثرات محبت
سب چھین لئے آپ نے زارت محبت

ذکر جاوید و ششٹ - ذکر حسین کا ہے - دینی

دشتِ تمنا

پر

بدیہ سر جاوید و ششٹ صاحب کی رائے

”دشتِ تمنا“ زبیدہ تحسین کا پہلا شعری مجموعہ ہے جو (۸) نظموں
ایک قطعہ اور (۶۷) غزلوں پر مشتمل ہے۔ ایک غزل (مرنے کا مجھے غم
ہے نہ جینے کی خوشی ہے) ص ۷۷، دوسری پار ص ۹۱ پر لکھی گئی ہے مگر
اس میں تین شعر نئے ہیں اور مقطع بھی ہے۔
مجموعہ میں زبیدہ تحسین کی تصویر بھی ہے جس پر ان کا شعر بطور ”کپیشن“

صادق آتا ہے

ترے خیال کی ٹھنڈک ترے فراق کی آغ
خوشی کی طرح مرا غم رہا ہے آنکھوں میں
زبیدہ تحسین کی (۸) نظموں میں صرف ایک نظم ”زندگی جہد“

مسل ہی رہی "آزاد ہے تختین کی غزلیں نظموں سے زیادہ جاندار ہیں بلکہ
 بینادی طور پر وہ غزل کی شاعرہ ہیں۔ داخلیت آن کے کلام میں کوٹ
 کوٹ کر بھری ہے۔ درون بینی آن کی افتاد طبع ہے۔

"دشتِ تمنا" کے سہ سہری مطالعہ سے ہی یہ بات واضح ہو جاتی
 ہے کہ "دشت" زندگی کی ویرانیوں، ناکامیوں اور نامرادیوں کی علامت
 ہے اور پورے مجموعہ میں اس قسم کے اشعار بکھرے ہوئے ہیں۔
 نہ کسی کے دل کی میں آس ہوں نہ کسی نظر کی تلاش ہوں
 نہ سکوتِ بزمِ خیال ہوں نہ فنونِ چشمِ بہار ہوں

مرنے کا مجھے غم ہے نہ جینے کی خوشی ہے
 یہ زندگی کس موڑ پہ اب آ کے رکی ہے؟

آباد ہے اک درد کی دنیا مرے دل میں
 کھٹکتا نہیں کب اور کہاں چوٹ لگی ہے

تلاشِ سرِ خوشی میں ہم چلے تھے
 گھیزے ہوئے میں غم کے سائے

اب نہ وہ دن ہیں نہ راتیں نہ حالات اپنے
 زندگی لگتی ہے ٹوٹے ہوئے خوابوں کی طرح

اے دیکھا اے سمجھا اے پرکھا عتسین
زندگی پھر بھی رہی بند کتابوں کی طرح

نہ قرار زندگی کو نہ قیام زندگی کو
یہ وہ موج مضطرب ہے جو نہ پاسکی کنار

اُلجھی ہوئی ہوں کشمکش زندگی سے میں
گھبرا رہی ہوں زلیت کی تشنہ لبی سے میں

یہ لمحہ حیات میرا مجھ پہ بار ہے
بیگانہ ہو چلی ہوں بہت زندگی سے میں

ہم سے پوچھتے کیا ہو شورش غم ہستی
وحشتوں کے سماں ہیں زندگی کے ویرانے

کس قدر بھیانک ہیں وقت کے تقاضے بھی
آج عتسین اپنے بھی لگ رہے ہیں بیگانے

میں نے تو چھپایا تھا اشکوں کو تبسم میں
دنیا نے مرے غم کو افسانہ بنا یا ہے

زہر گھلتا رہا اخلاص کے پیما نوں میں
زہر پیتے رہے امرت کے پیالوں کی طرح

رنگت کلی کی - پھول کی خوشبو چمن کی بات
سب تھے اُداس جن پہ ہماری نظر گئی !
عظمت عبدالقیوم صاحبہ، نائب صدر محفل خواتین حیدرآباد
"حرف اول" میں رقمطراز ہیں۔ "ان کے کلام کے مطالعے سے یہ دلچسپی
ہوگا کہ زبیدہ تحسین نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ زندگی
کے نشیب و فراز سے انھیں وابستگی رہی ہے ان کے کلام میں زندگی کی
جیتی جاگتی تصویر دکھائی دیتی ہے۔

"زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے" کا مطلب یہ ہوا کہ تحسین
زندگی کی تماشائی رہی ہیں۔ انہوں نے کنارے سے اندازہ طوفان نہیں
کیا بلکہ زندگی کے طوفان سے ڈراتی ہوئی گزری ہیں خود جزو طوفان حیات
رہی ہیں اس کے ثبوت میں ان کے یہ اشعار پیش کئے جاسکتے ہیں۔
زندگی زہر دیا تو نے کئی بار مگر
ہم ہوش بھر بھی ہے سلامت تیرے دیوانوں میں

دور نشاط باعث شرمندگی نہ ہو
خائف ہوں اپنی زلیلت کی ہے سر خوشی سے

جیتے ہیں کہ جینا بھی سوتے ہیں عبادت ہے
وہ یہیں اپنوں نے کیا کیا نہ بنا یا ہے

منجد ہمار میں ہوتے ہی میں طوفان ہزاروں
ساحل نے ڈبوئے میں کئی دل کے سینے

تختین بنا رکھی ہے کیا آپ نے حالت
جڑتے تھے کبھی آپ کے تخیل میں گئے
عم کی طرح محبت بھی زندگی کی اٹل حقیقت ہے تختین نے
محبت کی حسین و رنگین دادیوں میں خود فراموشی و گمشدگی کے لمحات بھی
گزارے ہیں۔ انھیں لمحات کی یاد ان کے کلام کا ایک شریں سرمایہ
ہے انسان کی فطرت ہے کہ وہ خوشگوار یادوں کو سینے سے لگائے
رکھتا ہے اور ناخوشگوار یادوں کو بہ جبر لا شعور کے گہرے غار میں ڈھکیل
دیتا ہے۔ تاہم کوئی ناخوشگوار یاد بھی تحت شعور کے کسی گمنام گوشے میں
چھپی رہ جاتی ہے اور وہ موقع ملتے ہی شعور کے آنگن میں اتر آتی ہے۔
تختین کی غزلوں میں یادوں کی دھوپ چھاؤں دھنک کی طرح لپکتی اور
دیک کی طرح جگمگاتی ہوئی دیکھی جاسکتی ہے ان کی نظم ”منزلِ گم گشتہ“
تو یادوں کا آئینہ خانہ ہے جس کا اختتام اس شعر پر ہوتا ہے

یہ ہنسی کچھ سوچ کر آنکھیں ہمیشہ جھپک جاتی تھیں
کئی باتیں تجھے بھولی ہوئی سہی یاد آتی تھیں

یا "کہاں ہو تم" کا یہ شعر سہ

کئی بھولے فنون یاد آتے ہیں کہاں ہو تم
صنوبر کے خنک سائے ہلاتے ہیں کہاں ہو تم

یا پھر غزلوں کے یہ اشعار ان ہی یادوں کے ذخیرے کی
خازنی کرتے ہیں سہ

تھوڑے کہناں پہنچا دیا ہے
ہزاروں روپ میں تم یاد آئے
اللہ کے کاروبار محبت کا اختصار
وہ ایک ہی نگاہ میں اپنا بنا گئے
وہ ضیاء تاب نظارے زوہ ہمگی راتیں
چاند افسردہ ہے اب ٹوٹے ہوئے دل کی طرح
چند یادیں ہی سہی شعر کا سرمایہ ہیں
ہم چھپاتے ہیں جنھیں سینے میں چھالوں کی طرح
کسی بستی کے جب مجھ کو اُجالے یاد آتے ہیں
کس آنکھوں میں پھرتے ہیں خواہے یاد آتے ہیں
مجھے گلابِ نسبت ہے ابھی ان مرغزاروں سے
وہاں کے جب مناظر دیکھے نبھائے یاد آتے ہیں

تحسین نے ذکر محبوب بڑے رکھ رکھاؤ کے ساتھ کیا ہے اور آداب
 عشق کو بھی ملحوظ رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے عشق میں نفاست
 اور رنست پیدا ہو گئی ہے تحسین کے محبوب کی ایک جملک ان اشعار
 کے چہرہ دکوں سے دیکھیے۔

دل میں آ جیتے ہوا بجان خیالوں کی طرح
 نقش بن بن کے اُبھرتے ہو سوالوں کی طرح
 بے رخی کا کوئی الزام نہیں یوں تو نہ دو
 تم نے جا یا ہی نہیں چاہتے والوں کی طرح
 ترے خیال کی ٹھنڈک ترے فراق کی آہ
 خوشی کی طرح مرا غم رہا ہے آنکھوں میں
 پھر سکانہ لگا ہوں میں خوب رو کوئی
 وہ ایک حسنِ مجسم رہا ہے آنکھوں میں
 نیند راتوں کی دل کا صبر و سکون
 لٹ لیتی ہیں فتنہ گر آنکھیں
 خوب کہتے ہیں لوگ آنکھوں کو
 مسم نے دیکھی ہیں خوب تر آنکھیں
 خیالِ محبوب کا ایک لمحہ حسینِ ملاحظہ کیجئے
 کچھ اس طرح خیال کے تم رو برو رہے
 جیسے شراب و شعر کی محفل سبھی رہے

ذرا یہ کشمکش بھی دیکھو ہے

اُن سے ملیں کہ بات کریں مدعا کہیں
اس کشمکش میں لذت خوابِ سحر گئی
آخر محبت میں ایک ایسا مقام بھی آجاتا ہے جب یہ
رفتہ رفتہ اپنی راہیں یوں الگ سی ہو گئیں
آپ سے ہم آپ ہم سے بے خبر ہوتے گئے
اور پھر بہارِ بے خزاں کی تمنا جنم لیتی ہے

غنوں نے چھین لی بڑھو کہ خوشی ہر گوشہ دل سے
تو بارغِ عشق میں بہن کر بہارِ بے خزاں آج
تمنا تہ لب رنجورِ حسرت سوزشِ پیہم
تو جامِ شوق میں بہن کر شرابِ ارغواں آج
حسرت کی یہ تمنا بھی ملاحظہ کیجئے

کوئی لمحہ تو کہیں زلیت کا حاصل بن جائے
کوئی لمحہ تو نکل آئے محبت کی سیل
کون ظالم نے یہ چھین لی مجھ سے

میرے عبر و تدار کی دنیا
کون جانے کدھر سے آیا تھا
کون جانے کدھر سے گیا کوئی
اُن پہ مرنے کی ادا سیکھ لی ہم نے عتسیں
زندگی یوں کسی انسانے کا غنوان ہو جائے

آخر دشتِ تما میں ایک ایسا بھی مقام آتا ہے جب حصولِ تما سے بھی
دامن بچایا جاتا ہے۔

زندگی موت ہے ہر ایک تمت کا حصول
مجھے منظور نہیں جذبہٴ دل کی توہین
تختین کی غزلوں میں رومانی فضا اور ہندوستانی عناصر کی بھی فراوانی
ہے اس نے رنگِ تعزل میں ایک البیلا نکھار پیدا کر دیا ہے رنگ
ونکبت اور درد کی لطیف کیفیت کی دھیمی دھیمی آہ سے دل کے
آگینے پگھلتے محسوس ہوتے ہیں۔

مجمجم رمجم آنکھیاں برسیں جل تھل جل تھل ساگر سارے
پیاسے نیناں کھجیں تم کو اپنوں میں انجباؤں میں
ہولے ہولے کون براجے سینوں کے سنگھاسن پر
چاندنی جیسے چپ چپ آئے اُجلے اُجلے دالائوں میں
مرے خیال کی پنہائیاں جھک اٹھیں
گلاب کہنے کہ لہریں و لہریں ہیں آپ
لہریں صدی باہیں چمکتے غارِ لب و لب
مزاروں شوخ حسینوں کا یانکین میں آپ
گھٹائیں زلفوں کو آنکھوں کو مسکدہ کہنے
چمکتی شاخِ صنوبر ہیں گل بدن میں آپ
گہری ہو جائے نہ آپ کے ماتھے کی شکن
میرا کیا مجھے کچھ دیر تڑپ لینے دو

کوئی قیمت نہ سہی اشک رواں کی عتیں
 انھیں آئین میں میرے جذب تو ہو لینے دو
 ”کوئی کہدے یہ پردیسی صنم سے“
 نظم ہندوستانی عناصر سے جلوے چننا شعار ملاحظہ کیجئے
 جنوں پرور ہوا میں بھی نہ آئیں
 پیہا بھی کوئی بن میں نہ گائے
 کبھی کھیتوں میں سرسوں بھی نہ چھو لے
 نہ شب میں چاندنی بھی گنگنا لے
 نہ بدرا آئے وہ بیری کہیں سے
 بہاروں کا سندسہ بھی نہ لائے
 نہ آموں پر سکھی کوئی ہی بولے
 مندھروں پر کوئی کا گانہ گائے
 اس کے علاوہ میں گھٹ، کنواری، گوری، ”گھونگھٹ“ دھنک
 رادھا کرشن کی فضا میں اپنی دھرتی کی بوباس اور اپنے گلن کی
 نیلامٹ دل کو چھوٹی ہے۔ تختین کی غزلوں میں گرد و پوش کے
 ماحول اور حالات عصر کی جھلکیاں بھی مل جاتی ہیں مثلاً
 زندگی خار بیداماں ہے جن میں اب بھی
 تافلے اب بھی بھنکتے ہیں بیابانوں میں
 کس کی کھیتی کون ہے کھیا ترسیں دانے دانے کو
 بھوکوں مہتے ہم نے دیکھا کھیتوں میں کھلیاؤں میں

ہم نے سوچا تھا بہاروں میں کھلے گا گلشن
 زندگانی کی کڑی دھوپ ہے آگن آگن
 پھول مرجھائے میں منہ بند ہیں ساری کلیاں
 غالی خالی ہے یہاں آج بھی دامن دامن
 کفن روشن تھا یہ سپنوں کا حسین تاج محل
 نیند ٹوٹی ہے تو دھندلا سا ہے درپن درپن
 اک نیا رنگ۔ تبا دور ہے مینالوں میں
 انضالیات کی تصویر ہے پیمانوں میں
 ایک جھیب سناٹا ہر قدم ڈراتا ہے
 سامنے لگا ہوں کے ریت کا مکا کیوں ہے
 ڈھل گئی رات وہ آیا ہے اُجالے کا سفیر
 لگ لگ جائے گی اب ظلم کے یوانوں میں
 جو کل تھی یہاں رسم جفا اب بھی وہی ہے
 ہر اہل وفا قابلِ گردن زدنی ہے
 قافلے لٹتے تھے کل تک راہزن کے نام سے
 راہنر کے روپ میں اب بھی ہیں کتنے راہزن
 تحسین نے ایک شعر میں اپنے مشرب کا بھی اعلان کیا ہے
 کوئی تفریق نہیں برقی ہے گلشن میں کبھی
 ہم نے کانٹوں کو بھی چاہا ہے گلابوں کی طرح

اسی مشرب نے تحسین کے احساسِ خودی کو بھی بیدار کیا ہے۔
 ہر راستے پر ہم ہی رہے میسہ کا روال
 رہبر رہے ہیں ہم کبھی منزل رہے ہیں ہم
 موتس نہیں رفیق نہیں ہم زبان نہیں
 خود اپنی ایک ذات سے محفل رہے ہیں ہم
 غرض تحسین کا پہلا مجموعہ کلام ”دشتِ تنہا“ ان کی زندگی کی کھلی کتاب
 ہے جس میں ان کی زندگی کا ہر رنگ دیکھا جاسکتا ہے۔ البتہ اس کے مطالعے
 کے لئے نظرِ خلوص اور دلِ درمند کی ضرورت ہے

ڈاکٹر جاوید وثیق
 ڈاکٹر حسن کمالی - دہلی

۱۲/ دسمبر ۱۹۷۷ء